آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

ماہنامہ

اُفق

کراچی

جشن عید میلاد النبی ﷺ

مبارک

لبیک یا رسول اللہ

سانحہ نشتر پارک

چشم کشا حقائق

غلامی رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے۔

تحفظ ناموس رسالت ﷺ

کی تحریک زور پکڑ رہی ہے

شاہ انس نورانی

کا

استعفیٰ؟

نبی کے غلاموں کا شہر کراچی

جشن عید میلاد النبی مبارک ہو



خاتم النبین محمد رسول اللہ ﷺ کا شایان شان جشن ولادت منانے اور
نبی کے غلاموں کا شہر کراچی مہم کی تقریبات کو کامیاب بنانے پر

ہم اہلیان کراچی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں

منجانب:

شبیر ابو طالب

ناظم اعلیٰ: جمعیت علماء پاکستان کراچی

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

ماہنامہ

اُفق کراچی

جلد 1، شمارہ 1، اپریل 2008ء ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ

حسن ترتیب

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ افق 35A/B77، گلشن حالی، کراچی 74900، Cell : 0300-2699072

نعت شریف

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

ترتیب
مفتی اصغر علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضیاء القرآن

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ۔ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں خواہ وہ جن ہوں یا انسان ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، سب کے لیے رحمت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے، مومن اور غیر مومن کو بھی آپ کی رحمت شامل ہے۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ صرف دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی رحمت کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف (زمین میں دھنسانے کا عذاب) اور مسخ (شکل بدل دینے کا عذاب) اور استیصال (کسی قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب) آپ کی رحمت کے واسطے سے اٹھا دیے گئے تو پتا چلا کہ آپ ﷺ رحمت مطلقہ، تامہ، کاملہ، عامہ، شاملہ، جامعہ، محیطہ، مطلقہ [illegible] تمام جہانوں کے لیے ہیں، وہ عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام ہوں، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول ہوں، مکلف ہوں یا غیر مکلف ہوں، انسان ہوں یا جن ہوں، فرشتہ ہوں یا حیوان ہوں، شجر ہوں یا حجر ہوں یا پہاڑ ہوں گویا کائنات کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت کا پیکر بن کر آئے یعنی جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے اسی طرح [illegible] کے لیے آپ رحمت ہیں۔ ہر کجا بنگرم عالم بود رحمۃ للعالمین ہم بود۔

طائف میں اعلائے تبلیغ کا فرض ادا کرتے ہوئے سرچشمۂ رحمت جب طائف پہنچے ہیں تو مشرکین وہاں کے اوباش [illegible] دیتے ہیں جسم اطہر لہولہان ہے، اور جوتیاں (نعلین) پاؤں کے خون سے جم جاتی ہیں۔ رحمت عالم ﷺ ایک کونے میں نڈھال ہو کر بیٹھے ہیں کہ ملک الجبال حاضر ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کرتے ہیں اگر حکم ہو تو طائف پر پہاڑ الٹ دیے جائیں۔ مگر معدن کون ومکاں ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: میں دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ [illegible] لوگوں کو ہدایت بھی تو دے سکتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کا جواب سن کر پتھر بھی پانی پانی ہو گئے [illegible] آنحضرت ﷺ طائف سے [illegible] پوچھے گئے کہ کیا کوئی بھی اس امانت کو اٹھا سکے گا [illegible] رحمت خداوندی کی آغوش [illegible] یا رسول اللہ ﷺ میں [illegible] رحمت خداوندی کی آغوش میں آ جاتا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ضیاء الحدیث

عن ابی ھریرۃ قال قیل یا رسول اللہ ﷺ ادع علی المشرکین، قال رسول اللہ ﷺ انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمۃ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکین کے خلاف دعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

یعنی حضور اکرم ﷺ دنیا و ما فیہا کے لئے رحمت ہیں، بایں معنی کہ آپ نے تمام جہان والوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور ابدی رحمت کے حصول کا دروازہ دکھایا، جو لوگ خون کے پیاسے اور جان کے دشمن تھے ان میں سے ہر ایک کے گھر جا کر پیغام حق سنایا، اور انہوں نے بدلے میں پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، دل آزار باتیں کی، آوازیں کسیں، آپ نے اف تک نہ کی تو یہ رحمت نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ وہی لوگ آقا علیہ السلام کی تبلیغ دین سے متاثر ہو کر آپ پر اسلام لے آئے اور آپ کے جانثار بن گئے۔

سلموا یا قوم بل صلوا علی صدر الامین
مصطفیٰ ماجاء الا رحمۃ للعالمین

باسمہ تعالیٰ

چل میرے خامہ بسم اللہ

مرحوم جریدہ "افق" اہلسنت کی صحافتی تاریخ کا ایک ذریں باب تھا، جس کے بانی شہید وطن ظہور الحسن بھوپالی تھے، جن کے قلم کی جولانیوں نے صحافت کے میدان میں بڑے بڑے سومنات فتح کئے، ایک وقت تھا کہ ہر تحریکی سنی کے گھر میں افق بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا تھا، مگر افسوس صد افسوس کہ بھوپالی صاحب کی شہادت کے ساتھ ہی یہ باب بند ہوا، کچھ عرصہ تک وہاج الدین چشتی مرحوم اس رسالے کی زندگی کو برقرار رکھنے کی جستجو کرتے رہے مگر پھر "افق" قصہ پارینہ بن گیا۔

اب کراچی کے چند باعزم مدبر اور باصلاحیت نوجوان ولولہ تازہ کے ساتھ "افق" کا اجراء کر رہے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ اس "افق" سے نظام مصطفیٰ ﷺ کا نورانی سورج طلوع ہوگا، اس رسالے میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی اہلسنت کو مجموعی طور پر ضرورت ہے۔

عید میلاد النبی ۱۴۲۹ھ کے پرمسرت موقعہ پر افق کا اجراء، عوام اہلسنت کے لئے جشن ولادت کا ایک خوبصورت تحفہ ثابت ہوگا، خدمت لوح وقلم کے جذبے کے ساتھ ہمارا کارواں جادہ منزل ہوتا ہے۔ چل میرے خامہ بسم اللہ

دل پہ جو گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے

شاہ انس نورانی کا استعفیٰ اور اہلسنت کا سیاسی مستقبل؟

2 مارچ کی دوپہر میں جبکہ جمعیت علماء پاکستان کا شوریٰ وعاملہ کا مشترکہ اجلاس لاہور میں زور وشور سے جاری تھا کہ ایک معروف ٹی وی چینل پر سلائیڈ چلنا شروع ہوئی کہ جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ صاحبزادہ انس نورانی، جمعیت علماء پاکستان کی قیادت سے مستعفی ہو گئے، اس خبر کے ساتھ ہی عوام اہلسنت میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی کہ اب اہلسنت اور جمعیت علماء پاکستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ سنی کانفرنس دارالسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سیاسی جنم لینے والی جمعیت علماء پاکستان وطن عزیز کے سیاسی میدان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نعرہ مستانہ کے ساتھ آئی اور شیخ الاسلام علامہ قمر الدین سیالوی کی قیادت میں 70 کے انتخابات میں اس نے اپنوں اور بیگانوں سب کو حیرت زدہ کر دیا پھر 70 کی اسمبلی کے فلور پر قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی کی مدبرانہ قیادت میں پاکستان کے دستور کو اسلامی بنانے میں بھی جمعیت علماء پاکستان کا موثر کردار رہا، تحریک نظام مصطفیٰ نے جے یو پی کو ملک کی مقبول ترین سیاسی جماعت بنا دیا، عزیموں کا یہ سفر عروج وزوال کے ساتھ دسمبر 2003، امام نورانی کے وصال تک جاری رہا جبکہ جمعیت علماء پاکستان عصبیت اور ایجنسیوں کے مقابلے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی تمام دینی جماعتوں کی قیادت بھی کر رہی تھی۔ علامہ شاہ احمد نورانی کے سانحہ ارتحال کے بعد عوام اہلسنت کی نگاہیں اپنی قیادت کی تلاش میں تھیں جبکہ انہیں صاحبزادہ انس نورانی کی صورت میں عکس امام نورانی نظر آیا جو کہ مولانا نورانی کے علمی وروحانی جانشین بھی تھے۔ صاحبزادہ انس نورانی کے قیادت سنبھالتے ہی انہیں بہت سے بحرانوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ بالخصوص انتخابات 2008، ایک بڑا امتحان تھے، دوسری طرف ورلڈ اسلامک مشن کی عالمی تبلیغی سرگرمیاں اور اطلاعات کے مطابق انہی سرگرمیوں کی بناء پر صاحبزادہ صاحب جمعیت کی قیادت سے مستعفی ہوئے ہیں اور باخبر ذرائع کے مطابق انہوں نے استعفیٰ واپس لینے سے انکار کر دیا ہے اور جمعیت کی شوریٰ وعاملہ اپریل کے اواخر میں اپنی نئی قیادت کا انتخاب کرے گی، استعفیٰ کے محرکات بھلا کچھ بھی کیوں نہ ہوں مگر موجودہ حالات میں یہ ایک مناسب فیصلہ نہیں تھا۔

بہرحال ان سنگین حالات میں جبکہ پاکستان کے تمام پارلیمانی ایوان نظام مصطفیٰ کے علمبرداروں سے خالی ہیں، جمعیت کے ارباب حل وعقد کی ذمہ داریوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اور اب انہیں چاہئے کہ وہ جذباتیت اور کسی بھی قسم کے خارجی وداخلی دباؤ کو نظر انداز کر کے اہلسنت کو ایک پرعزم، باکردار اور باصلاحیت قیادت منتخب کریں تاکہ تحریک نظام مصطفیٰ کا قافلہ پھر ایک ولولہ تازہ کے ساتھ سوئے منزل روانہ ہو اور اہلسنت جو کہ فقدان قیادت اور اپنی گروہ بندیوں کی بناء پر شدید مایوسی کا شکار ہیں، ناکامی کے اس گرداب سے نکلیں اور انہیں کوئی اچھی خبر سننے کو ملے، ساتھ ساتھ صاحبزادہ شاہ انس نورانی بھی یکسوئی کے ساتھ ورلڈ اسلامک مشن اور اپنے اجداد کے عالمی تبلیغی کام کو وسعت دیتے ہوئے دنیا بھر کے اہلسنت کو متحد ومنظم کریں۔

سانحہ نشتر پارک رہے گی سادہ کتاب کب تک؟

میلاد النبی ۱۴۲۷ھ کے اس عظیم دن سانحہ نشتر پارک کو دو سال پورے ہو گئے، یہی وہ دن تھا کہ نشتر پارک کے اسٹیج پر مغرب کی نماز کی ادائیگی کے دوران ایک بم دھماکے میں اہلسنت کے 63 مقتدر علماء و قائدین، علامہ مختار احمد قادری، علامہ عباس قادری، حافظ محمد تقی، افتخار احمد بھٹی، محمد اکرم قادری، صاحبزادہ فرید الحسنین کاظمی، حاجی حنیف بلو، سید محمد بلال اور بہت سے آفتاب و ماہتاب جرم حق گوئی میں غروب کر دیے گئے۔ قطع نظر اس سانحہ کے کیا محرکات تھے اور تحقیقات کے کیا نتائج برآمد ہوئے، اس سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ تحقیقاتی کمیشن نے بغیر کوئی نتیجہ نکالے اپنی تحقیقات کا دروازہ بند کر دیا۔

اس سانحہ کے بعد دارالعلوم امجدیہ میں ہونے والے اجلاس کو کچھ جذباتی اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے ہلڑبازی مچا کر سبوتاژ کیا اور اس عظیم سانحہ کے بعد قائدین چند نکات پر متحد ہوئے اور مفتی منیب الرحمن کی قیادت میں سنی رہبر کونسل قائم بھی ہوئی مگر اس کو غیر موثر کرنے کیلئے ہر شخص بھیجے کو اس میں نمائندگی دی گئی اور نتیجہ آج دو سال گزرنے کے بعد چند ابتدائی اجلاسوں کے علاوہ تمام رہبران اہلسنت جو کہ سب کے سب کراچی سے تعلق رکھتے تھے کسی بھی اجلاس میں جمع نہ ہوئے اور سنی رہبر کونسل جو کہ شہداء نشتر پارک کے لہو کے حساب کے لیے قائم ہوئی تھی اس قابل ہی نہ ہو سکی کہ وہ ارباب اقتدار سے انصاف طلب کر سکے۔ اس ملت کی بدقسمتی یہ ہے کہ چند رہبران اہلسنت نے اس سانحہ کو ذاتی تشہیر اور ارباب اقتدار سے بہتر روابط کیلئے استعمال کیا۔ 63 مقتدر شخصیات و قائدین کی مظلومانہ شہادت بھی ہمیں متحد نہ کر سکی، ان کا نشتر پارک میں بہتا ہوا لہو ہماری مدہوشی کو ختم نہ کر سکا۔ پوری پاکستانی قوم کی اجتماعی ہمدردی اور سوگ کو ہم منظم نہ بنا سکے۔ ہماری مفاد پرستی اور اجتماعی بے حسی ہمیں نہ جانے کہاں لے جائے گی۔

آج بھی شہداء میلاد کا لہو ہم سب سے سوال کرتا ہے کہ اے رہبران ملت تم کب متحد ہو گے؟ تمہاری بے حسی کے خاتمے کیلئے اور کتنی قربانیوں کی ضرورت ہے اور ہمارے خون ناحق کا حساب کون لے گا۔ یہ پاکستان کی تاریخ ہے کہ قائد ملت کی شہادت سے سانحہ نشتر پارک تک اور اس کے بعد جتنے بھی حادثات پیش آئے ان کی تحقیقات بے نتیجہ رہیں اور مظلوم انصاف سے محروم رہے مگر پھر بھی شہداء میلاد النبی کی عظیم قربانی ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم متحد ہو کر اس لہو کا خراج طلب کریں اور ارباب اقتدار سے سانحہ نشتر پارک کے تحقیقاتی رپورٹ کی بحالی اور اس کے نتائج کی اشاعت کا مطالبہ کریں تاکہ وہ ہاتھ جو کہ شہداء نشتر پارک کے مقدس لہو سے رنگے ہوئے ہیں بے نقاب ہو سکیں۔

"سنی کانفرنس راولپنڈی"

9 مارچ کی شب راولپنڈی میں منعقدہ "سنی کانفرنس" چند روایتی اعلانات اور قراردادوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ اس کانفرنس کا انعقاد متحدہ وحدت صاحبزادہ علامہ سید مظہر سعید کاظمی و علامہ ریاض حسین شاہ کی قیادت میں جماعت اہلسنت نے کیا تھا۔ شنید تھی کہ اس کانفرنس میں 100 سے زائد اراکین اسمبلی اور زعمائے ملت شرکت کریں گے اور کچھ نئے اتحاد اہلسنت کے حوالے سے پیش رفت کی خبر بھی دے رہے تھے مگر...... افسوس کہ شنید شنید ہی رہی۔

سنی کانفرنس کا نام سن کر ہمیں بنارس سنی کانفرنس کی یاد آتی ہے جس میں علماء و مشائخ اہلسنت نے پاکستان بنانے کا عزم کیا اور پاکستان بنا کر دکھایا یا دار الاسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنس کا پروقار منظر نظر آتا ہے جو کہ پاکستان میں سوشلزم اور کمیونزم کے مقابلے کا عزم کر رہا تھا اور اس نے یہ کر کے دکھایا یا پھر 78ء میں منعقدہ ملتان سنی کانفرنس و میلاد مصطفی ﷺ کانفرنس راولپنڈی کی یاد آتی ہے جو کہ اس ملک میں نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ اور مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کیلئے منعقد کی گئیں اور وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ اہلسنت کو ایسے اجتماع دیکھنے نصیب نہ ہوئے اور نہ ہی اتنی بڑی تعداد میں علماء و مشائخ کسی بھی اسٹیج پر جلوہ گر ہوئے اور پھر جو تقسیم در تقسیم کا عمل شروع ہوا تو آج تک ہمیں اتحاد و یکجہتی نصیب نہیں ہوئی۔ ان حالات و واقعات کے تناظر میں سنی کانفرنس راولپنڈی سے عوام اہلسنت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں جو کہ پوری نہ ہو سکیں اور عوامی شرکت کے لحاظ سے بھی یہ کوئی قابل قدر اجتماع نہ تھا۔ موجودہ صورتحال میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اہلسنت کے ارباب حل و عقد سر جوڑ کر بیٹھیں پہلے مرض کی تشخیص کریں اور پھر اس کا علاج شروع کریں۔

السید عقیل انجم

جشن میلادالنبی کی شرعی حیثیت

منکرین کے اعتراضات کا تحقیقی جواب

سید زاہد حسین شاہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء و رحمۃ للعالمین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اہل ایمان پورا سال ہی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لئے محافل اور جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس وسیلہ جلیلہ سے اس رہبر اعظم کے اسوہ حسنہ، تعلیمات، احکامات اور خداوند قدوس کے اوامر و نواہی عوام تک پہنچتے ہیں لیکن ربیع الاول شریف میں جشن میلادالنبی ﷺ کے نام پر یہ اہتمام ایک مخصوص صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں اہل ایمان اکٹھے ہو کر جلسہ اور جلوس کی صورت میں جشن میلاد مناتے ہیں اس میں ہر کوئی خوش نظر آتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش کا تعارف ہوتا ہے، کمالات مصطفوی ﷺ کا بیان ہوتا ہے، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے، حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، دعائیں مانگی جاتی ہیں، انعام خداوندی پر اظہار تشکر کیا جاتا ہے، اظہار مسرت کے لئے حسب توفیق لنگر کا اہتمام ہوتا ہے، دودھ اور شربت کی سبیلیں لگتی ہیں، اور ہر کسی کی زبان پر ہوتا ہے:

سوہنو خوشیاں مناؤ کملی والا آ گیا
رب سلم منگتاؤ کملی والا آ گیا

لیکن اس موقعہ پر کچھ لوگ قاطع بدعت ہونے کے زعم میں اس سارے پروگرام کو حرام اور بدعت کہہ کر اس سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممانعت اور حرمت پر دلیل شرعی نہ ہو وہ جائز ہے خواہ اس پر کسی دور میں بھی عمل شروع ہو جائے۔

پس جو شخص کسی فعل کو حرام یا گمراہی کہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر قرآن و حدیث سے دلیل لائے۔ صرف یہ کہہ دینا ناجائز ہونے کی دلیل نہیں کہ فلاں نے یہ کام نہ کیا یا فلاں دور میں نہ ہوا، جامع ترمذی کی حدیث ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (ترجمہ) حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس پر خاموشی فرمائی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے، (اس کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں)۔ ثابت ہوا جشن میلادالنبی ﷺ، جلوس، نعت خوانی، تقسیم شیرینی پر شرع میں کوئی ممانعت نہیں اس لئے یہ جائز ہیں۔

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی کا فتویٰ:

مفتی صاحب لکھتے ہیں: میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں کو جلوس بشرطیکہ اس میں کسی فعل ممنوع کا ارتکاب نہ ہو، یہ دونوں جائز ہیں، ان کو ناجائز کہنے کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہئے۔ مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے، یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا، ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز امر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔ (فتاویٰ مظہریہ، ص ۴۳۵)۔

الحافظ ابوزرعہ عراقی کا قول:

کھانا وغیرہ کھلانا تو ہر وقت مستحب ہے اور پھر کیا ہی مقام ہوگا جب اس کے ساتھ ربیع الاول میں نور نبوت کے ظہور کی خوشی شامل ہو جاتی ہے، مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ اسلاف میں سے کسی نے کیا لیکن اس کے پہلے نہ ہونے سے اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ بہت سے کام اسلاف میں نہ ہونے کے باوجود مستحب بلکہ بعض واجب ہوتے ہیں۔ (میلادالنبی کی شرعی حیثیت مؤلفہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری ص ۱۰۵)۔

کیا جشن میلادالنبی ﷺ بدعت ہے؟۔

منکرین جشن میلاد اس جشن کو بدعت کہہ کر اہل ایمان کو بدعتی اور گمراہ کہتے ہیں۔ یہ ان کی سراسر زیادتی ہے۔ کیونکہ اس کام کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے اسے بدعت کہنا بجا کہ بدعت کا معنی ہے نیا کام۔ لیکن شرعی اعتبار سے ہر بدعت کو ناپسند جاننا، مکروہ یا حرام کہنا اور گمراہی قرار دینا محض ہٹ دھرمی، تعصب اور تنگ نظری ہے۔

نور چاہا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ہر بدعت گمراہی نہیں، بلکہ علماء اسلام نے اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی ہیں۔

(1) بدعت حسنہ: (اچھی بدعت) ایسا نیا کام جس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہو بعض اوقات یہ واجب ہوتی ہے۔

(2) بدعت سیئہ: (بری بدعت) ایسا نیا کام جو خلاف دین ہو وہ گمراہی اور حرام ہے۔

اس تقسیم پر حضور ﷺ کا ارشاد، مانعین و منکرین کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی ایسی دلیل نہیں، کہ جس میں ایسا جشن منانے سے منع کیا گیا ہو، اور جس کی روشنی میں اسے حرام یا گمراہ کہا جا سکے، اس لئے وہ بڑا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ دور حاضر کا جشن میلاد دور نبوت اور دور صحابہ میں نہیں ہوا اس لئے یہ بدعت و گمراہی ہے۔ دوسرا یہ کہ ۱۲ ربیع الاول یوم میلاد

نہیں بلکہ یوم وفات ہے۔ تیسرا یہ کہ اس میں عیسائیوں سے مشابہت ہے۔ تو آپ ان اعتراضات کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

نبی پاک ﷺ نے خود اپنا یوم میلاد منایا

آنحضرت ﷺ نے ہر سوموار کو اپنے میلاد کی یاد منائی اور اس طرح صحابہ کرام و دیگر امتیوں کو اس کی ترغیب دی۔ حدیث پاک ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر سوموار کو روزہ رکھا کرتے تھے صحابہ کرام نے اس روزے کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا فیہ ولدت وفیہ انزل علی وحی ''ترجمہ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتداء ہوئی۔ (مشکوۃ کتاب الصوم)۔

اس حدیث پاک سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔ (1) پیر کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ میلاد النبی ﷺ کا دن ہے (2) حضور ﷺ نے روزہ رکھنے کا اہتمام فرما کر اپنے میلاد کی یاد منائی۔ (3) امت کے لئے یوم میلاد کی اہمیت اور فضیلت ظاہر فرمائی۔ (4) دن مقرر کر کے یاد منانا سنت نبوی بن گیا۔ (5) میلاد کی خوشی میں عبادت کرنا سنت بن گیا، وہ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ، نفل، ذکر وغیرہ خواہ عبادت مالی ہو جیسے فقراء و مساکین میں تقسیم خیرات، احباب کی دعوت، تقسیم شیرینی وغیرہ غرض حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی میں اظہار تشکر کے لئے مال خرچ کرنا، عبادت، تلاوت نعت سب سنت ہیں۔

مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے۔ ''حضور ﷺ نے کئی دفعہ صحابہ کرام کے اجتماع میں خود اپنے حسب نسب، پیدائش اور فضائل کا ذکر فرمایا، اسی طرح صحابہ کرام کی زبان سے حضور ﷺ نے عام محافل میں اپنے قصیدے سنے۔ اور ان کو دعائیں دیں، بارگاہ نبوت کے خصوصی نعت خواں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار میں حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر ہے، یہ قصیدہ مسجد نبوی میں عام صحابہ کرام کے اجتماع میں پڑھا گیا اور حضور نے ان کے حق میں سلامتی کی دعا فرمائی۔

رہی یہ بات کہ جشن عید میلاد النبی ﷺ جس صورت میں موجودہ دور میں منایا جاتا ہے، اس طرح خلفاء راشدین یا دیگر آئمہ محدثین کے ادوار میں نہ منایا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ کام ناجائز یا حرام ہے، کیونکہ کسی بھی فعل کے حرام یا ناجائز ہونے کے لئے دلیل شرعی سے ممانعت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ علم شریعت کا یہ اصول ہے ان الاصل فی الاشیاء الاباحة ترجمہ اصل کے لحاظ تمام اشیاء مباح اور جائز ہیں۔ جمہور شافعیہ اور حنفیہ اسے تسلیم کرتے ہیں (شامی، مرقات شرح مشکوۃ، اور اشعۃ اللمعات میں یہ اصول مذکورہ ثابت ہوا کہ جس چیز کی بالعموم شاہد موجود ہے۔ مشکوۃ باب العلم میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ترجمہ: جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو اس پر عمل کرے گا جبکہ اس کے ثواب سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اسلام میں برا طریقہ جاری کرے گا اس پر اس کا گناہ بھی ہے، اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں گے، جبکہ ان کے گناہ میں کمی نہ ہوگی۔ (مسلم شریف)

نتیجہ نکلا اسلام میں اچھا کام ایجاد کرنا باعث ثواب ہے اور برا کام جاری کرنا گناہ کا موجب ہے اور ہر بدعت گمراہی نہیں، بلکہ وہ بدعت گمراہی ہے جو دین کے خلاف ہے۔

بدعت کا یہ مفہوم سمجھ لینے کے بعد خود فیصلہ کریں کہ میلاد النبی ﷺ کا ذکر یا اس پر خوشی منانا کیسے گمراہی ہو سکتا ہے، جبکہ قرآن و حدیث میں اس کی اصل موجود ہے۔ بے شک اس کی موجودہ صورت بعد کی ایجاد ہے۔ لیکن اس کو علماء امت محدثین کرام، اولیاء عظام نے مستحسن سمجھ کر اپنایا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان عالیشان ہے ترجمہ: جس کو مسلمانوں کی اکثریت اچھا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جس کو مسلمان برا خیال کریں وہ عند اللہ بھی برا ہے اسی طرح ابن ماجہ کی حدیث ہے ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم

ترجمہ: بے شک میری امت گمراہی پر ہرگز اکٹھی نہیں ہو سکتی پس جب تم اختلاف دیکھو تو ایسی صورت میں سواد اعظم (اہلسنت والجماعت) کے ساتھ ہونا تم پر لازم ہے۔ (ابن ماجہ)۔

دور حاضر میں جشن میلاد کی جو صورت ہے، اس کو اکثر مسلمانوں نے مستحسن سمجھ کر اپنایا ہے، اس لئے یہ جائز ہے۔ اور یہ اس دور کا تقاضا بھی ہے، ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، اسی لئے اجتہاد اور اچھے کام کے رائج کرنے کا دروازہ شریعت نے کھلا رکھا ہے۔ خلفاء راشدین کا دور جنگوں کا دور تھا، فتنوں کو فرو کرنے اور فتوحات حاصل کرنے کا دور تھا، ان کی زیادہ توجہ اس طرف رہی، آئمہ حدیث کا دور جمع و تدوین حدیث کا دور تھا، ان کی اس طرف زیادہ توجہ کی ضرورت تھی۔ آئمہ فقہ کے دور میں تدوین فقہ اور مسائل کے مستنبط کرنے کی طرف توجہ کی ضرورت تھی، وہ اسی طرف متوجہ رہے ان ادوار میں بھی بے شمار بدعات (حسنہ) رائج ہوئیں جو ان سے پہلے ادوار میں نہ تھیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تقاضائے وقت کے مطابق نئے کام ایجاد ہوتے رہے ہیں اور جب ان کی اصل دین میں موجود تھی۔ تو علماء امت انہیں قبول کرتے رہے ہیں، کون نہیں جانتا کہ قرآن کریم، موجودہ کتابی صورت میں دور نبوت میں موجود نہ تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بدعت کی کہ اسے اکٹھا کروایا، پھر یہ قرآن کئی قراتوں میں تلاوت ہوتا رہا حتی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک قرآن پر اس کی اشاعت فرمائی اور بدعت حسنہ کا ارتکاب کیا، پہلے قرآن پر نقطے اور اعراب (زیر زبر پیش) نہ تھے، یہ کام پچاس ہجری کے بعد معرض وجود میں آیا، حضرت علی کے شاگرد حضرت ابوالاسود دؤلی نے یہ بدعت ایجاد کی۔ اور ان کے شاگرد یحیی ابن یعمر نے اس کام کو مکمل کیا۔ (تعارف قرآن شیخ محمد اقبال)۔

بعض لوگ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف کی طرف منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں، اعراب کو آخری شکل عباسی عہد میں ایک عالم خلیل ابن احمد نے دی، جو آج تک قائم ہے، جمعہ کی پہلی اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی۔ تراویح کی نماز باجماعت کی بدعت دور فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ میں شروع ہوئی۔ حضرت فاروق اعظم نے اس کا اہتمام فرما کر خود فرمایا: نعمة البدعة هذه۔ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔

مساجد میں چراغاں کرنے کی بدعت بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایجاد کی، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عمر کی قبر کو روشن کرے، جس نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا ہے" (جاء الحق ص ۳۱۰)۔

دور حاضر کی پختہ مساجد، بلند مینار، مزین محرابیں، خوبصورت قالین مساجد میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے دور میں ان کا تصور تک نہیں ملتا۔

صحاح ستہ (حدیث کی معتبر چھ صحیح کتب) تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں، فن حدیث کے تحت حدیث پر جرح و تعدیل کا کام پہلی صدی کے خاتمے پر شروع ہوا۔

قرآن کریم کے مختلف تراجم وتفاسیر علاقائی زبانوں میں سب بدعت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے جب فارسی ترجمہ کیا تو علماء نے اس پر بدعت کا فتویٰ لگایا کہ قرآن کو عربی سے فارسی میں منتقل کیا جارہا ہے۔

دور حاضر کے بڑے بڑے دارالعلوم، یونیورسٹیاں اور انکا نصاب تعلیم، فلسفہ، منطق، صرف ونحو، معانی، بلاغت، وغیرہ باوعظ وتبلیغ کا مروجہ طریقہ، بذریعہ اشتہار علماء کے آنے کی تشہیر، جلسہ کے لئے تاریخ ووقت کا تعین، سیرۃ النبی ﷺ کانفرنسیں تبلیغی چلے، میلاد کے علاوہ سیاسی واحتجاجی، استقبالیہ جلوس، یوم شوکت اسلام اور غلاف کعبہ کے جلوس، صد سالہ جشن، تہجد کے لئے اذان، زکوۃ میں رائج الوقت نوٹوں کی ادائیگی، موجودہ دور کے لذیذ ترین کھانے، گلاب جامن، اور رس گلے گرم گرم چائے کی چسکیاں، سفر کے جدید ذرائع بلکہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے جدید اسلحہ یہ سب بدعت ہیں منکرین میلاد بھی ان سب بدعتوں کو اپنائے ہوئے ہیں تو کیوں جبکہ دور نبوت ودور صحابہ میں ایسا نہیں ہوا۔

پوچھے منکرین میلاد سے، پوچھے نجدیوں سے، کیا رسول اللہ ﷺ کے ۲۳ سالہ دور نبوت میں اعراب والا قرآن تھا، خلفاء راشدین کے دور میں تھا، اور علامہ الدھر قاطع شرک وبدعت کہلاتے پھرتے ہو۔ یہ دور نبوت یا دور صحابہ میں تھیں، دور حاضر کی مساجد کا نقشہ پہلے دور میں تھا اگر نہیں اور واقعی نہیں تو پھر انہوں نے ایسا کیوں کر رکھا ہے۔ جس دلیل سے وہ ان کاموں کا جائز ہونا ثابت کریں گے وہی جشن عید میلاد النبی ﷺ کے جائز ہونے کی بھی دلیل ہوگی۔ جوابھم جواب لنا، شرم ان کو مگر آتی نہیں

صرف محبوب خدا کی ولادت کی خوشی منانے پر ان کو بدعت وحرام کے فتوے یاد آتے ہیں یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے، نبی سے بغض وعداوت نہیں تو اور کیا ہے۔

ذیاب فی ثیاب لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد پر یہ تسلیم زبانی ہے

اے سنی مسلمانو! اغلامان مصطفیٰ ﷺ کہلانے والو! غور کرو، رائج الوقت سینکڑوں ہزاروں بدعتیں ہیں ان کو منکرین میلاد نے اپنا رکھا ہے، لیکن بدعت کا فتویٰ لگانے کے لئے اسے میلاد کے جلوسے اور عید میلاد النبی ﷺ کے پلاؤ نظر آتے ہیں، اور خود مساجد کے چندے پر پل رہے ہیں، وہاں بدعت یاد نہیں رہتی۔

جشن میلاد کی ممانعت پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل ہے تو پیش کریں۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين، اور اگر ایسا نہیں تو پھر ڈریں اس آگ سے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكفرين۔

خوشی منانے کا قرآنی حکم

نبی پاک ﷺ کی پیدائش بنی نوع آدم کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل واحسان اور رحمت ہے اور اللہ کے فضل پر خوشی منانے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔ سورۃ یونس آیت نمبر ۵۸ ہے، ترجمہ اے پیارے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ جب اللہ کا فضل اور رحمت ہو تو خوشیاں منایا کرو، یہ خوشیاں منانے پر جو خرچ کرتے ہو وہ جمع شدہ خزانوں سے بہتر ہے۔ (قرآن کریم)

اس حکم کے تحت جشن میلاد جائز ٹھہرا، اور جائز کام کی ابتداء جب بھی ہو وہ جائز ہے، خواہ یہ کسی نے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ بے شک رائج الوقت صورت میں جشن عید میلاد کا باقاعدہ آغاز اربل کے بادشاہ کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن جب اس کی اصل قرآن وحدیث میں موجود ہے تو پھر اسے بدعتی اور گمراہ کیوں کہا جائے، جبکہ وہ تو نبی پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے، من سن في الاسلام سنة حسنة فعمل به بعده كتب له مثل اجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شيئا (مشكوة باب العلم)، حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا جبکہ ان کے ثواب میں بھی کمی نہ آئے گی۔

بادشاہ اربل کی سیرت

اربل کا بادشاہ الملک المظفر ابوسعید، جس نے جشن میلاد کا باقاعدہ آغاز کیا منکرین میلاد اسے بدعتی، عیاش اور بے دین کہتے ہیں، ان کی سیرت کا مطالعہ کریں۔

محدث امام ابن جوزی جنہیں منکرین میلاد بھی ایک معتبر محدث تسلیم کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: بادشاہ اربل ہر سال محفل میلاد کا اہتمام کرتا تھا، وہ بڑا زیرک، دانا، بہادر، اور مرد میدان تھا، دانشور اور عادل تھا، اس کا عہد حکومت کافی طویل ہوا یہاں تک کہ اس نے ۶۳۰ھ میں اس حال میں وفات پائی کہ اس نے صلیبیوں کے ملکہ شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا، اس کا ظاہر اور باطن بہت پسندیدہ تھا، اس کے زمانہ میں محدث شہیر حافظ ابن دحیہ نے میلاد النبی کے موضوع پر کتاب لکھی، ملک مظفر کے سامنے جب یہ تصنیف پیش کی گئی تو اس نے محدث ابن دحیہ کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام پیش کیا۔

(ضیاء النبی پیر محمد کرم شاہ الازہری ص ۴۹، جلد ۳)۔

آپ نے اس مرد مومن کی سیرت پر تبصرہ پڑھا، جس نے اس نیک کام کی ابتدا کی، پھر اس کے بعد جن مسلمانوں نے اسے اپنایا ان میں بڑے بڑے محدثین، آئمہ، علماء، فقہاء، صوفیاء، مفسرین، اولیاء شامل ہیں، کیا منکرین جشن میلاد کی رائے کے مطابق چھٹی صدی سے لے کر آج تک کے

یہ سب مسلمان گمراہ ہیں اور صرف یہ مٹھی بھر افراد ہدایت یافتہ ہیں، جبکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

ترجمہ: بڑی جماعت سواد اعظم (اہلسنت والجماعت) کی پیروی کرو جو سواد اعظم سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا، نیز ارشاد ہے مارآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن ومن فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (جاء الحق صفحہ ۲۲۸ بحوالہ مشکوٰۃ)۔

ترجمہ: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسی کو اپنے گلے سے اتار دی۔ ابن ماجہ کی حدیث ہے ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رأیتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم

ترجمہ: بے شک میری امت گمراہی پر ہرگز متفق نہیں ہوسکتی، بغرض محال اگر تم کوئی اختلاف دیکھتے ہو تو تم پر لازم ہے کہ سواد اعظم کے ساتھ رہو، سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲ کے حاشیہ میں ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سواد اعظم سے مراد طبقہ اہلسنت لیا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم۔ ترجمہ: جو مومنوں سے علیحدہ راستہ پر چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے، اور دوزخ میں داخل کریں گے، جو سواد اعظم سے جدا ہوتا ہے، جو سبیل المومنین کو چھوڑتا ہے وہ اپنے انجام کا فیصلہ خود کرلے مقام غور ہے، جس کام کو سواد اعظم جائز سمجھ کر کررہا ہو وہ گمراہی کیسے ہوسکتا ہے۔ صدائیں درودوں کی آتی رہیں گی، میرا ان کے دل شاد ہوتا رہے گا۔

۱۲ ربیع الاول میلاد النبی کا یوم ہے یا وفات النبی کا؟

مانعین میلاد اس کار خیر سے روکنے کے لئے اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول حضور ﷺ کی پیدائش کا دن نہیں بلکہ وفات کا دن ہے آیئے اس بات کا جائزہ لیں کہ وہ اس دعویٰ میں کہاں تک سچے ہیں۔

حضور ﷺ کی تاریخ ولادت میں بے شک مختلف روایات ہیں۔ لیکن جمہور محققین اور علماء امت ۱۲ ربیع الاول کو ہی حضور کا یوم ولادت مانتے ہیں۔ اب ساری امت کا اس پر تعامل بجائے خود ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حدیث، تاریخ اور سیرت کی بے شمار کتابیں اس پر شاہد ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول کو ہی حضور کی ولادت کا دن ہے۔

امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں

۔ترجمہ: مشہور بات یہی ہے کہ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ اس پر تمام اہل مکہ اگلے پچھلے متفق ہیں کہ وہ اس تاریخ کو حضور ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کرتے ہیں۔ (ضیاء النبی بحوالہ زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۱۳۲)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی "مدارج النبوت" میں فرماتے ہیں۔ حضور کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی، اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے کہ وہ اسی رات حضور کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں اور مولود خوانی کرتے ہیں۔

تاریخ وفلسفہ کے امام علامہ ابن خلدون فقید المثال مفسر اور مورخ امام ابن جریر طبری مشہور سیرت نگار علامہ ابن ہشام، عالم اسلام کے لئے سیرت نگار امام محمد بن اسحاق دور حاضر کے محقق سیرت نگار محمد الصادق جامعہ ازہر مصر علامہ محمد رضا شاہ قاہرہ یونیورسٹی اور دیگر سینکڑوں محققین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سوموار بارہ ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی۔ (ضیاء النبی جلد ۲ ص ۳۳ مصنف پیر محمد کرم شاہ الازہری) منکرین میلاد کے اپنے امام مشہور عالم نواب محمد صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں "ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول عام الفیل کو ہوئی، جمہور علماء کا یہی قول ہے، ابن جوزی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ ص ۷) لو اپنے آپ دام میں صیاد آگیا۔

علماء دیوبند کے امام مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی اعظم مفتی محمد شفیع نے بھی ۱۲ ربیع الاول کا ذکر کیا ہے، منکرین تاریخ میں اختلاف کا بہانہ بنا کر اس عداوت وتعصب پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جو ان کے دلوں میں ذات مصطفی ﷺ کے ساتھ ہے، ورنہ وہ اس تاریخ پر میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا اظہار کرلیتے، جو ان کے نزدیک معتبر ہے، لیکن وہ ایسا بھی نہیں کرتے تو پھر کیوں نہ کہیں۔۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

قرآن کریم نے اس قسم کی کیفیت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے مذبذبین بین ذالک لا الی هؤلاء ولا الی هؤلاء (پ ۵ ع ۱۷)۔

تاریخ وفات النبی ﷺ کی تحقیق:

منکرین ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ وفات متفقہ قرار دیتے ہیں، ان سے پوچھئے کس نص قطعی سے انہیں اس صحیح تاریخ کا پتہ چلا، جبکہ تاریخ وفات کے بارے کئی مختلف روایات ہیں

٭ یعقوب ابن سفیان کی روایت ہے، حضور نے پیر کے دن ربیع الاول کی پہلی تاریخ وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ)

٭ امام بیہقی کی روایات ہے حضور ﷺ کی وفات ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر ہوئی۔

٭ واقدی اور سعد بن زہری کا بھی یہی قول ہے۔

٭ حضرت عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے، حضور پیر کے دن ربیع الاول کے دس دن گزرنے پر فوت ہوئے۔

٭ محمد بن اسحاق کی صرف ایک روایت ہے کہ حضور کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔

غور کیجئے ایک روایت کے برعکس متعدد روایتوں کو چھوڑ کر کہہ دیا کہ ۱۲ ربیع الاول متفقہ تاریخ وفات ہے، یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے، مشہور سیرت نگار امام ابو القاسم سہیلی کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں، حضور کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتی، کیونکہ حجۃ الوداع بروز جمعہ ہوا اس حساب سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ جمعرات کو بنتی ہے، اس سے آگے ربیع الاول تک تمام مہینے تیس دن کے بنائیں یا انتیس دن کے، کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول سوموار کو نہیں بنتا حق واضح ہوگیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر پر ملاحظہ فرمائیں)

''جشنِ عیدمیلادالنبی ﷺ اور اقوامِ عالم''

اے خاور حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبح ازل ہے تیری تجلی سے فیضیاب
برسا ہے شرق و غرب پہ یہ ابرِ کرم تیرا
آدم کی نسل پر تیرے احساں ہیں بے حساب
شایاں ہے تجھ پہ سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب

اللہ تعالیٰ کے وہ محبوب حضور رحمت دو عالم ﷺ جن کے سر اقدس پر اللہ تعالیٰ نے عالمگیر رسالت کا جگمگاتا ہوا پر نور تاج سجایا۔ اس سراج منیر کی تابانیوں سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا۔

جس طرف چشم محمد ﷺ کے اشارے ہوگئے
جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہوگئے

ربیع الاول شریف کا چاند طلوع ہوتے ہی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں، وہ درودوں کے گجرے اور سلاموں کی ڈالیاں، عقیدت اور محبت کی نذریں اپنے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنا چاہتے ہیں۔ محترم و محتشم قارئین آیئے عرب و عجم اور دیار اغیار میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں اور اس مسلمہ حقیقت کو بھی آشکار کرتے ہیں کہ دھر میں کس طرح اسم محمد ﷺ کا اجالا ہر لحظہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔

مکۃ المکرمہ میں جشن عید میلاد النبی ﷺ:

یہ وہ شہر عظیم ہے جسے رسول رحمت، آقائے نعمت ﷺ کی جائے ولادت ہونیکا شرف حاصل ہے، یہی وہ سرزمین ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب سید العالمین ﷺ کے قدموں کے بوسے لیے فرمان الٰہی ہے: لا اقسم بھذا البلد ۝ وانت حل بھذا البلد ۝ ''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو''۔

بیت اللہ شریف کے ایک جانب محلہ بنی ہاشم ہے جس میں حضرت سیدہ، طاہرہ وطیبہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا وہ کاشانہ اقدس جہاں سیدنا محمد عربی ﷺ کی جلوہ گری ہوئی۔ جسے ولادت باسعادت کی رات اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا، اور درود وسلام کے نذرانے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے تھے، یہاں زمانہ قدیم میں لوگ اس سجدہ گاہ ملائکہ کی زیارت کے لیے خصوصی طور پر میلاد النبی ﷺ کی رات حاضر ہوتے اور درود وسلام کی نذریں پیش کرتے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''تمام اہل مکہ اس رات کو مکہ شریف میں ولادت باسعادت کے مقام کی زیارت کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں''

(مدارج النبوۃ 2/23)

حافظ عبدالخالق نورانی

سلطنت عثمانیہ کے دور میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا دن نہایت تزک واحتشام سے منایا جاتا تھا، آج بھی یہ دن والہانہ انداز میں منایا جاتا ہے۔ مدائح النبویہ ﷺ بڑے ذوق وشوق سے پیش کی جاتی ہیں، مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں، غلامان مصطفیٰ ﷺ ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ:

اس شہر خوباں کو آرام گاہ رسول اللہ ﷺ ہونیکا اعزاز حاصل ہے، اس پر اولین وآخرین علماء حق کا اتفاق ہے کہ زمین کا وہ مقدس ٹکڑا جو رسول اکرم ﷺ کے جسم ناز سے مس ہو رہا ہے وہ کائنات میں سب سے افضل مقام ہے، حتیٰ کہ کعبۃ اللہ اور عرش معلی سے بھی افضل اور اعلیٰ ہے، یہی وہ مدینۃ النبی ﷺ ہے جہاں آپ کا والہانہ استقبال کیا گیا، بنونجار کی وہ معصوم بچیاں جن کے عشق نبی پر فرشتوں کا تقدس نثار ہو رہا تھا، جو یا محمد ﷺ یا رسول ﷺ کہہ کر آقا علیہ السلام کی آمد پر خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

یہاں بھی عید میلاد النبی ﷺ پوری شان وشوکت سے منایا جاتا رہا ہے اور منایا جا رہا ہے کہ عرب شیوخ اپنے گھروں اور زمینوں پر جنہیں عربی زبان میں ''مزرعہ'' کہا جاتا ہے محافل میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، قصائد النبی ﷺ پڑھ کر اور سن کر اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح حجاز مقدس کے دیگر شہروں اور دیہاتوں میں محافل میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔

سرزمین عراق:

عراق کے ہر قریہ وبستی میں شمع رسالت کے پروانے عشق مصطفیٰ ﷺ کے دیوانے مدنی تاجدار ﷺ کے حضور عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے محافل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں۔

مساجد کو آراستہ کیا جاتا ہے، شاہراہوں پر اسٹیج سجائے جاتے ہیں، بینرز آویزاں کئے جاتے ہیں، علماء ومشائخ کا جم غفیر ہوتا ہے، ثناخوان رسول ﷺ دف کے ذریعہ منظوم نذرانہ عقیدہ پیش کرتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں، عموماً ان کے مبارکباد کے کلمات یہ ہوتے ہیں:

مولود النبی ﷺ مبروک

بغداد شریف:

بغداد شریف عراق کا دارالخلافہ ہے، انتہائی

خوبصورت شہر ہے، یہاں خاندان نبوت کے عظیم فرزند حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار ہے، یہاں سراج الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرامگاہ ہے، سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا روضۃ اقدس ہے اس کے علاوہ سینکڑوں علماء، ربانیین اور مشائخ عظام اس دھرتی کو اپنے اجساد پاکیزہ سے زینت بنائے ہوئے ہیں۔

بغداد شریف میں عید میلاد النبی ﷺ کی سب سے بڑی تقریب سعید "معظمہ اعظمیہ" یعنی جو علاقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے، وہیں آپ کا روضۃ اقدس ہے، وہاں رسول اکرم ﷺ کے تبرکات ہیں اور بارہ ربیع الاول شریف کی رات سرکار دو عالم ﷺ کے موئے مبارک (بال مبارک) کی زیارت کرائی جاتی ہے، الحمدللہ متعدد بار ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی، لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم غفیر ہوتا کہ گاڑی پیچھے روک کر کئی کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرتے اور مزار شریف پر پہنچتے۔ چاروں طرف عید کا سماں ہوتا، لوگ خوبصورت عربی لباس زیب تن کئے ہوتے، چاروں طرف خوشبوئیں مہک رہی ہوتیں اور لوگ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے موئے مبارک کی زیارت کرتے۔

اسی طرح مزار غوث الاعظم پر بھی لوگوں کا ذوق وشوق قابل دید ہوتا، عراق بصرہ سے لوگ یہاں آکر میلاد شریف کی رات گزارنا پسند کرتے، اسی طرح عراق کے دیگر شہر موصل، رمادی، کرکوک، سلیمانیہ، کربلا معلی، نجف اشرف میں بھی خصوصی پروگرام منعقد ہوتے ہیں جن میں لوگ ساری کائنات کے مرکز عقیدت رسول رحمت ﷺ سے اپنی والہانہ محبت کا ثبوت دیتے ہیں۔

دبئی میں جشن آمد رسول ﷺ

دبئی متحدہ عرب امارات کی ایک عظیم سلطنت ہے، یہاں دنیا کے مختلف ممالک سے لوگ بہتر روزگار کے حصول کے لئے آئے ہوئے ہیں، حب مصطفی ﷺ سے سرشار شمع رسالت کے یہ پروانے کم از کم ہفتے میں ایک بار ضرور اکٹھے ہوکر گلی والے آقا کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، محفل نوری کے نام سے باضابطہ ایک تحریک بنا رکھی ہے، جو گزشتہ تقریباً تیس سال سے قائم ہے یہاں ہفت روزہ محفل میلاد منعقد ہوتی ہے، دنیا کے مایہ ناز قراء، ثناخوان حبیب ﷺ، علماء اہلسنت اور مشائخ عظام کی آمد آمد رہتی ہے، مجھ ناچیز کو بھی اس نوری محفل میں خطاب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، یوں تو ہفت روزہ محفل منعقد ہوتی ہے مگر عید میلاد النبی ﷺ کے ایام میں اس نوری محفل کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر جمعرات کو بعد از نماز عشاء اہلسنت وجماعت کے عظیم فرزند محترم حاجی محمد رفیق نورانی کے دردولت پر بھی ہفت روزہ محفل کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حضرت قبلہ قائد ملت اسلامیہ عاشق رسول ﷺ علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نوراللہ مرقدہ کا فیض عام ہے، یہاں بھی بڑے تزک واحتشام کے ساتھ نورانی محافل منعقد ہوتی رہتی ہیں، یہاں بھی ناچیز کو شرکت کا شرف حاصل ہوا اور حاجی محمد رفیق نورانی صاحب کی کاوشوں کو دیکھ کر بے حد مسرت حاصل ہوئی۔

یہاں بڑے بڑے عرب شیوخ اپنے گھروں، مساجد اور باغات میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلہ میں بڑی محبت کے ساتھ محافل کا اہتمام کرتے ہیں۔

تحفظ ناموس مصطفی

چراغِ مصطفوی اور شرارِ بولہبی

حضور نبی کریم ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور انسانوں میں اللہ کے نزدیک صرف وہی لوگ مقبول ہیں ،اس پاک ذات کے محبوب کی محبت رکھتے ہیں اور اللہ نے اپنی اطاعت اور محبت کو کچھ اس طرح قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ کا صدق دل سے اقرار کر کے امت محمدیہ میں داخل ہو چکا ہے تو اسے بقیہ تمام قوموں ، رنگوں ،واسطوں کی نفی کر کے صرف اور صرف بارگاہ مصطفی ﷺ سے جوڑے اسی پر زندگی کی سمت متعین کرنا ہے۔

دوسری بات اللہ نے اپنی محبت کی پہچان کیلئے قرآن میں جو معیار تحریر فرمادیا وہ صرف اور صرف محبت رسول ،اطاعت رسول پر رکھا ہے ،لہٰذا ایمان کی تکمیل ،پختگی کی جانچ کرنے کیلئے ہر مسلمان کو اپنے قلب و گریباں میں جھانک کر خود ہی اپنے ایمان کے معیار ،درجے ،کیفیت کو پتہ کرنا زیادہ آسان ہو گیا ہے۔

بس اتنا عرض کرتا چلوں کہ عمل یعنی عبادات ،ریاضت ،ذکر و فکر میں انسانوں کو وقت ،حالات ،زمانوں کے حساب سے کچھ کمی بیشی کی گنجائش ہے ،جبھی تو اللہ عزوجل بروز قیامت بعض گناہ گاروں کو بھی بخش دیں گے۔

لیکن ایمان کا درجہ ،معیار ،کسوٹی ،اول سے ازل تک ایک ہی ہے ،چاہے وہ دور صحابہ کرام کا ہو ،تابعین کا ہو ،آج کا دور ہو ،لہٰذا ہمارے اس دور کے مسلمانوں میں جہاں کم علمی پھیلی ہوئی ہے وہیں بعض ایسے تصورات جو کہ وہ اپنے فہم ،جہل ،سوچ اور کفار کے پروپیگنڈے کے سبب اپنا چکے ہیں ،ان تصورات کی اصلاح بھی ضروری ہے ،لہٰذا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم توہین آمیز خاکوں ،کارٹونوں ،یہود و نصاریٰ کی دوسری سازشوں کو سنتے ہوئے اپنے ایمان ،عمل ،اسلامی حالات کو بھی Measure کرلیں اور اپنے آپ کو جانچنے کے لیے ہم یہاں پر پہلے قرآن مقدس میں اطاعت رسول ،حکم رسول ،فرمانبرداری رسول ،محبت رسول ،نسبت رسول ،نافرمانی رسول کے متعلق فرمانِ الٰہی اور پھر ان تمام آیتوں کے آخر میں اگر کسی مسلمان کا ایمان پھر بھی بیدار نہ ہو تو اس کے لیے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 36 پارہ 8 پر غور سے پڑھنے اور اپنا احتساب کرنے کی گزارش ہے۔

سید صغیر حسین شاہ

اگلے حصے میں صحابہ کرام اور بذات خود حضور نبی کریم ﷺ کے چند اقدامات اور توہین کرنے والوں کے حق فرمائے جانے والے فیصلے اور ان گستاخوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کی مثالیں ہیں تاکہ ہمیں اس احساس مسئلہ پر اپنے ایمان کی جان محبت رسول کا اندازہ ہو۔

اطاعت رسول ہی دراصل اللہ پر ایمان ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر 59: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور رسول کے حضور رجوع کرو ،اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو ،یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

سورہ عمران پارہ 3 آیت نمبر 32: اللہ عزوجل کی خوشنودی صرف رسول اللہ کی فرمانبرداری اور حکم کی تعمیل کا نام ہے ،تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں۔

فائدہ: وہ لوگ رسول اللہ کی شان میں توہین کو خالی معمولی واقعہ سمجھ کر درگزر کر رہے ہیں ،انہیں اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔

سورہ آل عمران پارہ 3 آیت نمبر 132: رسول اللہ کی فرمانبرداری ہی رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو ،اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔

فائدہ: فرمانبرداری ،محبت کے انتہائی درجے کی کیفیت کا نام ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر 80: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت نہ کرنے اور نافرمانی کرنے والے "جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کیلئے نہ بھیجا۔

فائدہ: ایسے تمام لوگ جن کے سینے محبت رسول کے لیے نہیں کھل رہے ،اللہ تعالیٰ ان سے بیزاری کر رہے ہیں۔

سورۃ النساء آیت نمبر 69: نسبت ،محبت رسول کا اللہ کی طرف سے انعام "جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا ،جن پر اللہ نے فضل کیا ہے اور یعنی انبیاء ،اور صدیق اور شہید ،اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

سورۃ النساء آیت نمبر 14 پارہ نمبر 4: رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں حدود کا خیال نہ کرنے والے" جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا ،جس میں ہمیشہ رہے گا ،اور اس کے لیے خواری کا عذاب ہے۔

اگر قرآن کی کوئی آیت انہیں نہ روک سکے تو ایسوں کا انجام:

سورہ احزاب آیت نمبر 36 پارہ ، اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ دوزخی ہیں

انھوں نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

مندرجہ بالا چند آیات کے علاوہ مزید کئی آیات قرآنی ہیں جنکا تفصیلی تذکرہ تحریر کرنے کے بجائے چند کے متفرق مفہوم آپ کی خدمت میں پیش ہیں اور گزارش ہے کہ ان کلام مقدس میں سے بغور پڑھ کر اپنے ایمان، عمل، قول و فعل کو رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ سے اسی طرح منسلک کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے کرنے کو وجہ ایمانی کے لیے ضروری اور بنیادی قرار دیا ہے۔

(1) دربارِ رسالت ﷺ میں بلند آواز سے بات کرنا بھی ممانعت (الحجرات ۲)

(2) حضور ﷺ کو عام لوگوں کی طرح پکارنا (سمجھنا) گستاخی (کفر) ہے (النور ۶۳)

(3) حضور ﷺ کو اپنے جیسا سمجھنا (اپنی ہی جیسی توقیر کرنا) کافروں کا طریقہ (الانبیاء ۳)

(4) توہین کی نیت کے بغیر بھی معمولی گستاخی کا کلمہ ادا ہو جانا بھی کفر ہے (البقرہ ۱۰۴)

(5) معمولی سی بے ادبی (چاہے اپنے جیسا سمجھنا) بھی تمام نیکیوں کی بربادی کا سبب (الحجرات ۲)

(6) آپ ﷺ کی (ہر طرح سے کامل و اکمل اطاعت فرمانبرداری نہ کرنا) حاکمیت کو تسلیم نہ کرنا وجہ کفر ہے (النساء ۶۵)

(7) سرکار دو عالم ﷺ کی محبت ادب واحترام، فرمانبرداری تعظیم و توقیر تمام عبادات پر مقدم ہے۔ (سورۃ الفتح ۹)

(8) آپ کے گستاخ کی مذمت کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے (القلم، اللہب ۱)

(9) ایمان والے گستاخ رسول سے دوستی (کسی بھی طرح کا تعلق) نہیں کر سکتے (المجادلہ ۲۲)

(10) حضور سے منہ موڑنا (محبت سے بچنے کا خیال ہونا، عشق کی انتہا کا نہ ہونا) منافقوں کی علامت ہے (النساء ۶۱)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی ایک آیت اور حدیث بھی تعظیم کے متعلق نہ ہوتی تو پھر بھی ہمیں خود ہی آپ کی اطاعت، محبت، فرمانبرداری کو ہر نسبت، عمل، تعلق، رشتے کی خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ ہم پہلے تو شرک کے حال سے آزاد نہیں ہوتے اور پھر عقل کی فریب کاری میں عقل سلیم سے محروم اور شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے تمام مسلمانوں کی خدمت میں حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں بعض گستاخوں کے بارے میں حضور ﷺ کے فیصلے رقم کر رہا ہوں جو نام نہاد اعتدال پسند کے زہر آلود خنجر سے اپنے ہی ہاتھوں اپنے ایمان، عقل سلیم، مذہب و ملت کا قتل کرنا بند کر دیں۔

واضح رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تمام فیصلے مدینہ میں ہجرت فتح مکہ کے بعد جب باقاعدہ اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آ چکا تھا یعنی مدینے میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آنے والا تھا جس کے سربراہ بذات خود حضور نبی کریم ﷺ ہیں لہٰذا اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ ہمیں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کو ایمان کے بعد افضل ترین عبادات کا درجہ میں سمجھنا چاہیے۔

پہلا واقعہ: فتح مکہ کے موقع پر مدینہ کے راستے میں وادی صفرا کے دورے سے باہر نکلے تو آپ ﷺ کو اسیران جنگ میں ایک شخص "نضر بن حارث" نظر آیا جو کہ زندگی میں آپ ﷺ کو ایذا رسانی کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کے حکم پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے قتل کیا۔ اسی سفر میں جب "عرق الظبیہ" میں پہنچے تو ان ہی اسیران جنگ میں "عقبہ بن ابی معیط" کو دیکھا جس نے آپ ﷺ پر حالت نماز میں اونٹ کی اوجھ ڈالی تھی ایک مرتبہ کعبہ شریف میں حضور ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر اسے کس کر ایذا پہنچائی، حضرت علی ہی نے آپ کے حکم سے اسے بھی کیفر کردار تک پہنچایا۔

دوسرا واقعہ:

فتح مکہ کے اگلے سال توہین رسالت کے مرتکب چار اشخاص کو یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے خود قتل کی سزا سنائی، ان میں

(1) ابو عفک نامی شاعر حضور ﷺ کے حکم سے بدری صحابی سالم بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(2) کعب بن اشرف حضور ﷺ کے حکم سے حضرت ابو نائلہ اور ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(3) اس کا بھی کعب بن اشرف کا ساتھی اور تاجر ابو رافع خیبر میں رہتا تھا۔ حضور ﷺ کے حکم دینے سے ایک صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(4) غزوہ احد سے واپسی کے سفر میں ایک شاعر جو توہین آمیز اشعار کہا کرتا تھا اسے حضور ﷺ کے حکم سے گرفتاری کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے تہ تیغ کر دیا (بحوالہ شہیدان ناموس رسالت محمد متین خالد)۔

جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ پاکستان سپریم کورٹ آف پاکستان اپنی محققانہ تصنیف "ناموس رسالت ﷺ اور قانون توہین رسالت" میں امام بخاری رضی اللہ عنہ کے استاد حضرت عبد الرزاق بن ہمام رضی اللہ عنہ اور دوسری صدی ہجری میں مجموعہ احادیث "المصنف" کے باب "سب النبی ﷺ" اور سنن ابی داؤد اور حضرت علامہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ کی کتاب "الشفا" کے حوالے سے آٹھ ایسے افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کے جرم میں خود حضور ﷺ ہی کے حکم سے واجب القتل قرار پائے۔

واضح رہے کہ حضور نبی کریم کے مندرجہ بالا احکامات دراصل اسلامی ریاست کی داخلہ و خارجہ پالیسی میں فتنہ پرور کفار و مشرکین کے ساتھ مسلح جہاد و قتال، معاشرتی جرائم، سزا کی حدود، سزائے موت، قید و بند کا نفاذ کا فرمان خدائی احکامات کے تحت اسلامی ریاست کے خدوخال مقرر فرما رہا تھا۔ تا کہ رہتی دنیا میں کسی بھی پیچیدہ مسئلے میں امت مسلمہ کے فقہاء مشکل کا شکار نہ ہوں۔

آپ کی شان میں گستاخی چونکہ ہر دور میں ایک شدید فتنہ و فساد کا سبب تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن مجید کے احکامات کو عملی نافذ فرما کر ہمیں مصلحت سے آزاد کر دیا۔

عیسائی پادریوں اور حکمرانوں کی شامت سرکار ﷺ کا پہلا معظم دور:

☆ مقبول بارگاہ غازی صلاح الدین ایوبی نے شاتم رسول بادشاہ ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں سے واصل جہنم کیا۔

☆ سلطان نور الدین زنگی نے دو نصرانیوں کو جنہوں نے قبر انور کی طرف سرنگ کھودی تھی مدینہ منورہ میں جہنم رسید کیا۔

☆ امیر محمد بن عبدالرحمٰن اندلس کے حکمران نے پولوئیس نامی پادری کو واصل جہنم کروایا۔

اس کے علاوہ اندلس اور شام میں عیسائیوں کی جانب سے شروع کی جانے والی شاتمِ رسول کی تحریک کے خلاف اس وقت کے حکمرانوں اور قاضیوں نے ان مجرموں کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے ان کو واجب القتل قرار دیا۔

اس وقت سے لے کر آج تک مغرب کی جانب سے شاتمِ رسول کی تحریک منظم انداز میں جاری ہے اور جس کا مقابلہ ہر دور میں غازی علم الدین شہید، اور بہت سے غلامانِ ناموسِ رسالت نے کیا ہے۔

اسی طرح جانثارانِ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک لڑی بنتی جارہی ہے جو قیامت کی صبح تک جاری رہے گی۔

تیسرا مرحلہ:

توہین آمیز خاکوں میں عیسائی حکمرانوں، صحافیوں، اسکالروں کی ہرزہ سرائی اور اس کے پس پردہ مقاصد:

اس پورے مضمون میں ہمارا مقصد ملتِ اسلامیہ کے باشعور صاحبِ فکر افراد کو سوچنے کے لیے دعوتِ فکر دینا ہے تاکہ عالمِ اسلام کے خلاف تاریخ کی سب سے زیادہ منظم مشترکہ حکمتِ عملی جسے عیسائی پادریوں اور مذہبی اداروں نے برسوں کی محنت کے بعد طے شدہ Action Plan کے مراحل میں سے ایک ہے۔

میں اتنی واضح بات تو نہیں کرسکتا کہ ان کی اس Planing کی منزل کیا ہے لیکن اس کے جو اجتماعی مقاصد ہیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) اسلام کی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کو تہس نہس کرنا۔

(ب) <u>مسلمانوں کے ذہنوں پر اتنے حملے کرنا کہ وہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں توہین کو ایک معمول یعنی ایک معمول سمجھ لیں اور اسے برداشت کرنے کی عادت بن جائے۔</u>

(ج) اسلام اور حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور معاشرتی سیاسی اخلاقی معاشی تعلیمات سے مسلمانوں کو الگ کردیا جائے اور ان تعلیمات کو ہمیشہ کیلئے ملیا میٹ کردیا جائے تاکہ یورپ یعنی عیسائی معاشرے ہی کی تعلیمات دنیا پر پھیل جائیں۔

(د) اسلام اور مسلمان جس تہذیب و ثقافت کا نام سے رو رہے ہیں، اسکے دنیا میں پھیلنے کے اصل سبب یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے درمیان تعلق کو کمزور سے کمزور کردیا جائے اور ادب و احترام نام کے ہر رشتے کو ہمیشہ کیلئے ختم کردیا جائے۔

(ر) پھر مسلمانوں کے مقدس مقامات کو ملیا میٹ کرکے اس دین کا عملی خاتمہ کردیا جائے جس کے نتیجے میں یورپ کی تہذیب و تمدن کے سامنے کوئی دوسری تہذیب باقی نہیں رہے گی۔

میں اپنے اس نقطے کی تصدیق کیلئے مجددِ عصر قائدِ ملتِ اسلامیہ امام شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطاب و بیان کا حوالہ دینا چاہوں گا جسے حضرت نے عراق پر حملے کے دوران فرمایا تھا:

"<u>امریکہ اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے مراکز مکہ و مدینہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں</u>"۔ ان ساری باتوں کیلئے کسی تصدیق یا ثبوت کی اگرچہ ضرورت نہیں ہے مگر ہم مسلمان در اصل دوسروں کے بارے میں آجکل بہت زیادہ حسنِ ظن رکھتے ہیں لیکن بروقت کسی سازش کی نشاندہی اور اس کے توڑ کی جامع کوشش کرنا ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔ چنانچہ چند نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

☆ 2006 میں 22 یورپی ممالک نے پے در پے 75 سے زائد اخبارات و رسائل میں شائع کیا۔

☆ 200 سو سے زائد ٹی وی چینلز نے انہیں کئی بار نشر کیا۔

☆ ہالینڈ کے اخبارات نے لکھا کہ ہم یہ کارٹون ہر ہفتے شائع کریں گے۔

☆ اٹلی کے ایک وزیر نے ان کی ٹی شرٹ خود استعمال کی اور اسے فروغ دینے کا اعلان کیا۔

واضح رہے کہ یہ کام کبھی جذباتی نہیں تھا بلکہ اس کا پورا پلان اوپر ذکر کرچکا ہوں، اس میں یولانڈ پوسٹن کے ثقافتی امور کے ایڈیٹر فلیمنگ روز (Flemming Rose) نے ڈینیئل پائپس کے سربراہ اور صدر بش کے سابقہ مشیر ہیں، اس نے 40 سے زائد افراد کے درمیان مقابلے کا اہتمام کرنے کے بعد 12 کارٹونوں کو ستمبر 2005 کی اشاعت میں شامل کروایا۔

(1) اصل کارٹونسٹ (Kurt Westergard) کرٹ ویسٹر گارڈ کا بیان 18 فروری 2006 کو ہیرالڈ نامی رسالہ میں اس طرح شائع کیا کہ کارٹونوں سے متعلق سوال کے جواب میں کہا کہ "مجھے ان خاکوں پر کوئی افسوس نہیں، کیونکہ ان خاکوں کے پیچھے ایک خاص جذبہ کارفرما ہے کہ دہشت گردوں نے اسلام سے روحانی اسلحہ فراہم ہوتا ہے (اے۔ایف۔پی رپورٹ ڈان، 19 فروری 2006)۔

(2) <u>یورپی یونین کے صدر، امریکی صدر بش، برطانوی وزیرِ اعظم ٹونی بلیئر نے ڈنمارک کے وزیرِ اعظم کو ٹیلیفون کرکے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور ڈنمارک کے وزیرِ اعظم نے کہا کہ "اسلامی دنیا کو محسوس کرنا چاہئے کہ ہم تنہا نہیں ہیں" (انڈو دہلی ٹائمز 14 فروری 2006)</u>

(3) امریکی صدر بش نے سالانہ خطاب جنوری 2006 میں کھل کر کہا کہ "ہمارا اصل مقابلہ سیاسی اسلام (Political Islam) اور اسلامی بنیاد پرستی سے ہے"۔

امریکی یورپی پالیسی سازوں نے جس کھیل کو آئندہ عشروں کیلئے plan کیا ہے اس کی بنیاد اس فلسفہ پر ہے کہ:

☆ مغرب کا اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی بلکہ خود اسلام ہے۔ یہ ایک مخصوص تہذیب ہے جس کے وابستگان اپنے تمدن کی برتری کے قائل ہیں اور اقتدار و اختیار کی محرومی کی وجہ سے پریشان ہیں، اسلام صرف امریکی سی آئی اے کیلئے نہیں بلکہ یہ مغرب کا مسئلہ ہے، کیونکہ یہ ایک مختلف اور متصادم تہذیب ہے جس کے داعی اپنی تہذیب کی آفاقیت کے قائل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کی بالاتر طاقت تقاضا کرتی ہے کہ اس تہذیب و تمدن کو پوری دنیا میں پھیلا دیا جائے"۔

یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو اسلام اور مغرب کے درمیان جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ یقیناً باشعور اور صاحبِ فکر اور عالمی حالات و واقعات پر غور و فکر کرنے والے مسلمان اس صورتحال پر تفکر کریں گے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

"شہدائے نشتر پارک کا لہو آج بھی انصاف کا منتظر ہے"

11 اپریل 2006ء (12 ربیع الاول 1427ھ) کا دن تھا، ہر طرف رنگ و نور کی محفلیں سجی ہوئی تھیں، آج اہل ایمان اپنے پیارے آقا کی مرحبت تاجدار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جشن ولادت منا رہے تھے، گلیاں، محلے، بازار جھنڈیوں اور برقی قمقموں سے سجے ہوئے تھے، بستی بستی قریہ قریہ مسرتوں سے معمور تھا، پوری کائنات رنگ و نور میں ڈوبی ہوئی تھی، ہر نظارہ حسین لگ رہا تھا، اور ہر طرف ایمان افروز روحانی منظر تھا۔ شمع رسالت کے پروانوں کے جلوس اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر نشتر پارک میں مرکزی جلوس میں شامل ہونے کے لئے رواں دواں تھے، اور ہر قدم نشتر پارک کی جانب گامزن تھا، جہاں جشن عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے عاشقان رسالت کا سب سے بڑا اجتماع منعقد ہو رہا تھا، اجتماع گاہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور نشتر پارک کے در و دیوار اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف و توصیف، نعتوں اور جشن ولادت کے ترانوں سے گونج رہے تھے مختلف مذہبی جماعتوں کے جلوسوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، اور نیو میمن مسجد سے حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری، صاحبزادہ فرید المصطفیٰ کاظمی، حافظ محمد تقی، محمد حنیف بلو، جلیل الرحمن چشتی اور دیگر علماء کرام کی قیادت میں نکلنے والا سب سے بڑا جلوس اپنے مقررہ راستوں سے گزرتا ہوا نشتر پارک پہنچ چکا تھا، سنی تحریک کے سربراہ محمد عباس قادری، افتخار بھٹی اور محمد اکرم قادری بھی اپنے کارکنان کے ہمراہ نشتر پارک پہنچ چکے تھے، دیگر علماء اور قائدین کے خطاب کے بعد نقیب محفل حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی کا خطاب جاری تھا کہ نماز مغرب کی ادائیگی کی وجہ سے مقررین کا سلسلہ روک دیا گیا، روایت یہی تھی کہ حضرت کے خطاب کے بعد جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن اس بار خلاف معمول اعلان کیا گیا کہ نماز کے بعد سنی تحریک، انجمن نوجوانان اسلام، اور انجمن طلباء اسلام کے رہنما خطاب کریں گے، سنی تحریک کے رہنما عباس قادری اور اکرم قادری نے اسٹیج پر روزہ داروں میں کھجوریں اور پانی کی بوتلیں تقسیم کیں اور روزہ افطار کرنے کے بعد تمام لوگ جلسہ گاہ میں نماز مغرب کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے، اسٹیج سے پیچھے

ایم، اے قادری

میدان میں حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری نماز مغرب کی امامت فرما رہے تھے، دوسری طرف اسٹیج کے اوپر مولانا عبد الوہاب قادری کی امامت میں فرض نماز ادا کی جا چکی تھی اور دعا کے بعد لوگ سنتوں اور نوافل میں مشغول تھے کہ اچانک ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی اور ہر طرف دھوئیں کے سیاہ بادل چھا گئے، ایک قیامت کا منظر تھا، جہاں کچھ دیر قبل درود و سلام کے نذرانوں سے فضا گونج رہی تھی اب وہاں چیخ و پکار اور آہ و بکا کا شور تھا۔ اسٹیج پر علماء کرام خون میں لت پت پڑے تھے، اس حادثے میں 60 سے زائد افراد نے جام شہادت نوش کیا اور 100 سے زائد افراد زخمی ہوئے، اس حادثے کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، کراچی کی تاریخ میں پہلا حادثہ تھا جس میں علماء کرام، سیاسی رہنما، سماجی کارکن اور میڈیا سے وابستہ افراد کی اتنی بڑی تعداد شہید یا زخمی ہوئی۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جب سماجی کارکن اور عام شہری شہداء کی نعشیں اور زخمیوں کو ایمبولینس اور دیگر گاڑیوں کے ذریعے اسپتال پہنچا رہے تھے اس وقت سندھ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے جائے وقوعہ سے تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر پوزیشنیں لیے کھڑے تھے، واقعہ کے تین گھنٹے کے بعد پولیس علاقے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکی۔ اس دوران مشتعل نوجوان، انتظامیہ اور حکومت کے خلاف نعرے بازی کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے اور سرکاری و نجی املاک و گاڑیوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا، شہداء کی تعداد میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا، احتجاج بڑھتا گیا، جائے وقوعہ پر سب سے پہلے پہنچنے والے اعلیٰ پولیس افسران میں ٹی پی او جمشید ٹاؤن، ایس ایس پی کیپٹن (ر) طاہر نوید اور ایس ایس پی ٹریفک زون III سید شوکت علی شاہ تھے۔ جائے وقوعہ کے معائنے کے بعد سندھ پولیس کے انسپکٹر جنرل نے فوری طور پر 3 ٹیمیں تشکیل دے کر مقدمہ 48 گھنٹے گزرنے کے بعد سولجر بازار تھانے میں درج کرایا اور مقدمے کی تفتیش ایک سب انسپکٹر کے حوالے کی گئی، افسوس کی بات یہ تھی کہ اتنے بڑے سانحے کی تحقیقات کے لیے جس افسر کو نامزد کیا گیا تھا اس انسپکٹر کو میٹل ڈی ٹیکٹر کا مطلب بھی نہیں معلوم تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ یہ آلہ کس کام آتا ہے، بعد ازاں مذکورہ تفتیشی افسر کو تبدیل کر دیا گیا، لیکن اس کے باوجود پولیس سانحہ کے ملزمان تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکی اور آج دو سال گزر جانے کے باوجود سانحہ نشتر پارک کے ذمہ داران کو پکڑنے اور انصاف کے کٹہرے میں پیش کئے جانے کے تمام تر حکومتی دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے، سانحہ نشتر پارک کے حقائق کیا ہیں؟ اس سوال کا صحیح جواب حکومت اور اس کے اداروں کے پاس موجود ہے، لیکن یہاں ایک بات بالکل واضح ہے کہ یہ حقائق اتنے تلخ، نازک اور کڑوے ہیں جس کی وجہ سے ان کو منظر عام پر لانے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس المناک سانحے کی

تحقیقات مصلحتوں کا شکار ہو کر سرد خانے کی نظر ہو گئی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس سانحے میں انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کوئی اہلکار شہید یا زخمی نہیں ہوا یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ اس موقع پر گورنر، وزیر داخلہ اور آئی جی سندھ کی جانب سے جو سیکورٹی پلان بھجوایا جاتا ہے اس پر بھی عمل نہیں کیا گیا۔ اس نااہلی کی وجہ سے 60 سے زائد قومی سطح کی دینی، سماجی، سیاسی شخصیات، طالب علم رہنما اور سنی کارکنان اس سانحے میں شہید ہوئے، مگر اس کیس کی تفتیش ایک ڈی، ایس، پی سطح کا افسر کرتا رہا اور اس المناک سانحے کی F.I.R نامعلوم افراد کے خلاف درج کی گئی اور پولیس نے سارا زور اس بات پر لگایا کہ کسی طرح اس واقعہ کو خودکش حملہ قرار دے کر اپنی جان چھڑائی جائے، ممکن تھا عوام دہشت گردی کی سابقہ واقعات کی طرح اس سانحہ کو بھی بھول جاتے اگر رحمت حسین جعفری کی سربراہی میں عدالتی ٹریبونل نہ بنتا۔ جسٹس رحمت حسین جعفری نے عوام اور مذہبی جماعتوں سے کہا کہ وہ عدالتی تحقیقات کو کامیاب بنائیں اور ٹریبونل سے تعاون کرتے ہوئے اس کے سامنے پیش ہو کر اپنے بیانات ریکارڈ کرائیں تاکہ مجرموں کو بے نقاب کیا جا سکے، لیکن سنی علماء اور ہم خیال تنظیموں پر مشتمل "سنی رہبر کونسل" نے اس ٹریبونل کی تحقیقات کا بائیکاٹ کیا، اس عدالتی ٹریبونل کی تحقیقات کے دوران بڑی ناقابل فہم باتیں سامنے آئیں، جب جسٹس رحمت حسین جعفری نے گواہوں اور پولیس افسران کے متضاد بیانات سماعت فرمائے، ان بیانات کی روشنی میں جہاں انتظامیہ کی نااہلی سامنے آئی، وہاں یہ بات بھی سامنے آئی کہ انتظامیہ نے سانحہ نشتر پارک کے کیس کا ستیاناس کر دیا ہے، 7 جون 2006ء کو عدالت میں ایک دلچسپ کاروائی اس وقت دیکھنے کو ملی جب ٹریبونل کے سامنے 12 ٹاؤن پولیس افسران نے یک زبان ہو کر کہا کہ "آئی، جی سندھ کی جانب سے 12 ربیع الاول کیلئے حفاظتی انتظامات کا ہدایت نامہ انہیں 11 اور 12 ربیع الاول کا ملا تھا جبکہ ہمیں 12 ربیع الاول کیلئے حفاظتی اقدامات ایک اور دو ربیع الاول کو کرنے تھے جس کی تمام تفصیلات ڈی، آئی، جی آپریشن کو بھیج دی گئی تھیں۔ اور آئی، جی صاحب کا ہدایت نامہ تاخیر سے ملنے کی وجہ سے اس پر عمل ممکن نہ ہو سکا"۔ جب پولیس نے آئی، جی سندھ کا ہدایت نامہ ٹریبونل کے سامنے پیش کیا تو جسٹس رحمت حسین جعفری صاحب کو یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ انسپکٹر جنرل پولیس کے ہدایت نامہ کو بغیر کسی دفتری کاروائی کے متعلقہ انچارجوں کے پاس جوں کا توں بھیجا گیا ہے۔ عدالتی کاروائی کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ انتظامیہ نے ہر معاملے میں اپنی ذمہ داریوں سے کوتاہی کا مظاہرہ کیا اور ممکنہ دہشت گردی روکنے کیلئے کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا تھا۔ اور اب وہ اس سانحے کو ایک خودکش حملہ کا نتیجہ قرار دے کر اپنی جان چھڑانا چاہتی تھی۔ ڈی آئی، جی منظور مغل نے عدالتی ٹریبونل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ بم دھماکہ اسٹیج سے 27 فٹ کے فاصلے پر ہوا تھا جبکہ فوجی ماہرین کی رپورٹ جو کہ 19 مئی کو روزنامہ جرأت میں شائع ہوئی کے مطابق سانحہ نشتر پارک خودکش حملہ نہیں تھا، بلکہ ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ تھا، اس طرح کی ایک اور رپورٹ روزنامہ عوام میں بھی شائع ہوئی کہ خفیہ ایجنسیوں کے مطابق یہ دھماکہ خودکش نہیں تھا اور نہ ہی اس دھماکے کا تعلق مذہبی دہشت گردی سے تھا، ایک طرف ملک کے صدر پرویز مشرف صاحب فرما رہے تھے کہ "100 فیصد یقین سے کہتا ہوں کہ یہ مذہبی دہشت گردی ہے تو دوسری طرف سندھ کے وزیر اعلیٰ ارباب غلام رحیم کہتے ہیں کہ سانحہ نشتر پارک مذہبی دہشت گردی نہیں ہے۔ آئی، ایس، آئی سابقہ سربراہ جنرل حمید گل اس سانحے کو افغانستان سے ملا رہے تھے، بہر حال بعض حلقوں کی طرف سے جس جلد بازی میں اس سانحہ کو خودکش حملہ قرار دینے کی جو کوشش کی گئی یہ بات کسی طور بھی شکوک و شبہات سے بالاتر نہیں تھی۔

سانحہ نشتر پارک کی تحقیقات کرنے والے ٹریبونل کے سربراہ جسٹس رحمت حسین جعفری کہتے ہیں کہ "پولیس نے اس کیس کا ستیاناس کر دیا ملزمان پکڑے گئے تو بری ہو جائیں گے" روزنامہ جنگ 27 مئی 2006ء کی اشاعت کے مطابق جسٹس رحمت حسین جعفری نے تفتیش پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے اور ٹریبونل نے اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ قانون کے مطابق 15 دن گزرنے کے باوجود اس سانحہ کی تفتیش مکمل نہیں ہو سکی۔ فاضل ٹریبونل کے استفسار پر انکوائری افسر نے عدالت کو بتایا کہ اسے 25 سال کا تجربہ ہے اور اس نے بہت سے کیسوں کی تفتیش کی ہے۔ جسٹس رحمت حسین جعفری نے کہا کہ اتنے بڑے سانحے کی انکوائری کیلئے کسی ماہر اور ذہین افسر کا تقرر ہونا چاہئے تھا۔ مسٹر جسٹس رحمت حسین جعفری نے ابتدائی انکوائری کے دوران پولیس اہلکاروں، پوسٹ مارٹم اور زخمیوں کا علاج کرنے والے ڈاکٹروں سے مختلف سوالات کئے جس کا وہ تسلی بخش جواب نہیں دے سکے، جس پر جسٹس رحمت حسین جعفری نے کہا کہ یہ ایک اہم نوعیت کا کیس ہے اور اس کی انکوائری ہر پہلو کو سامنے رکھ کر ہونی چاہئے۔

سانحہ نشتر پارک کی تفتیش کیلئے صدر مملکت اور وزیر اعظم کی جانب سے قائم کردہ انتہائی تجربہ کار اور ماہر فوجی افسران کی ٹیم کی جانب سے 15 اپریل 2006ء کو ابتدائی رپورٹ صدر پاکستان کو بھیجی گئی، جس کے مطابق نشتر پارک میں کی جانے والی دہشت گردی کی اس واردات میں بم بلاسٹ کی انتہائی جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کیا گیا تھا، بم اسٹیج سے 4 سے 5 فٹ کے فاصلے پر کسی چیز میں رکھا گیا تھا، جسے دہشت گرد نے مخصوص وقت پر ریموٹ کنٹرول کے ذریعے بلاسٹ کیا۔ اس ٹیکنالوجی کا استعمال زیادہ ایسے اجتماعات یا عوامی جلسے جلوسوں میں کیا جا سکتا ہے جہاں لوگ کھڑے ہو کر تقاریر سنتے ہوں یا عبادات میں مصروف ہوں۔ رپورٹ کے مطابق اس قسم کے بم بلاسٹ کا مقصد زیادہ سے زیادہ اموات کے علاوہ ایسی فضاء بھی پیدا کرنا ہوتا ہے جس سے تحقیقاتی ادارے خودکش بم دھماکہ سمیت دیگر غیر مبہم سمتوں کی جانب بھٹک جائیں اور تفتیش کا صحیح رخ متعین نہ ہو سکے۔ اسی دوران ایک مقامی روزنامے میں یہ رپورٹ بھی شائع ہوئی کہ نشتر پارک کے بم دھماکے میں استعمال ہونے والی کار کا سراغ لگا لیا گیا ہے، جس کا بم دھماکہ کرنے والے گینگ سے رابطہ تھا۔ پولیس نے سانحہ کی تحقیقات کے دوران 17 افراد کو بھی حراست میں لیا اور اس دوران مجرموں تک پہنچ جانے کے

اشارے بھی دیے گئے ،تحقیقاتی کمیٹی کی جانب سے یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ وہ سانحہ نشتر پارک کے قاتلوں تک پہنچ چکی ہے اور اس کی اصل کڑیاں کراچی میں ہی ہیں، اگر قاتلوں کو بے نقاب کیا گیا تو کراچی کی ہر گلی نشتر پارک بن جائے گی۔ اس خبر سے لگتا تھا کہ حکومت قاتلوں تک پہنچ چکی تھی لیکن شہر میں فسادات کے خوف سے منظر عام پر نہیں لا رہی ہے۔

حکومت نے مرکزی قائدین کو اس امر کا بھرپور یقین دلایا تھا کہ اس سانحے کی تحقیقات کو منظر عام پر لایا جائے گا اور مجرموں کو گرفتار کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا مگر تا دم تحریر آج دو سال گزر چکے ہیں ،خفیہ اداروں کی تحقیقات ادھوری پڑی ہیں اور جسٹس رحمت حسین جعفری کی سربراہی میں قائم کیا جانے والا ٹریبونل مقررہ مدت میں کاروائی مکمل نہیں کر سکا اور اس کی ساری کاروائی داخل دفتر ہو چکی ہے ۔ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سانحے کو جہاں حکومت اور حکومتی اداروں نے سنجیدگی سے نہیں لیا وہاں ایکشن کمیٹی کے قائدین اور ذمہ داران بھی کوئی قابل تحسین کردار ادا کرنے سے قاصر رہے ،اس سانحہ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ تمام تر حکومتی یقین دہانیوں اور دعووں کے باوجود ابھی تک اس سانحے کے اصل مجرم منظر عام پر نہیں لائے جاسکے۔ حکومتی مجبوریوں اور مصلحت کوشی آج بھی سانحہ نشتر پارک کی تحقیقات اور اس کے اصل حقائق کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کیلئے نتیجہ خیز اقدامات کا کرنا اور ان مذموم کاروائیوں میں ملوث افراد کے خلاف ہر مصلحت سے بالاتر ہو کر کاروائی حکومت کی ذمہ داری ہے، یہی انصاف کا تقاضہ ہے اور شہدائے نشتر پارک کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ آج اس اہم موقع پر ہم حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ سانحہ نشتر پارک کے اصل ذمہ داران کو قوم کے سامنے لائے اور انہیں قرار واقعی سزا دے کر نشان عبرت بنائے۔

نشتر پارک کراچی میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ جلوس ،تاریخ کے آئینے میں :

بقول جمیل العلماء علامہ جمیل احمد نعیمی ،شہر کراچی میں ابتداً ''انجمن مسلمانان پنجاب'' پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس نکالا کرتے تھے ،اس جلوس میں بینڈ باجے وغیرہ استعمال ہوتے تھے ،امام الشاہ احمد نورانی نے اس پر اعتراض کیا ،مولانا نورانی کا موقف تھا کہ ہمارا جلوس خالصتاً مذہبی نوعیت کا ہونا چاہیے جس میں نعت خوانی ،ذکر اذکار اور علمائے کرام کی تقاریر ہونی چاہئیں ، میں نے مولانا نورانی کی اس تجویز کو پسند کیا اور اس متبرک کام کا بیڑہ اپنے ذمے لے لیا ،یہ سعادت بھی فقیر کو نصیب ہوئی کہ 1965 میں جلوس کا روٹ طے پایا اور اسی سال اس متبرک کام کا آغاز ہو گیا ،عید میلاد النبی کا پہلا جلوس نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ سے شروع ہوا اور نشتر پارک جا کر اختتام پذیر ہوا ،43 سال گزرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور رحمت دو عالم کی نظر اقدس کے طفیل آج بھی یہ سلسلہ پوری آب و تاب سے جاری ہے ،اور جب تک شمع رسالت کے پروانے زندہ رہیں گے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جلوس کے بانی ارکان میں یہ حضرات شامل تھے۔

(1) حضرت امام الشاہ احمد نورانی صدیقی ،

(2) شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری ، (3) مجاہد ختم نبوت صوفی ایاز خان نیازی

(4) خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی ، (5) فقیر جمیل احمد نعیمی ،

گستاخی معاف؟

عاجز کے قلم سے

[illegible]

خود ساختہ فرزند پاکستان حسین چیراں پر مہربان شکست اور جنت سے چیلوں جناب شیخ رشید احمد المعروف....... نے فرمایا ہے کہ 23 مارچ سے پہلے پہلے نئی سیاسی جماعت تشکیل دیں گے شیخ صاحب کیلئے بہتر ہے کہ وہ پاکستان کھوڑا لیگ تشکیل دے دیں اس کا سیکرٹری جنرل اراکین مسلم لیگ کو بنا دیں، امید کی جا سکتی ہے کہ طلال حسین کے عقل کھوڑا لیگ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے گی۔

[illegible]

خبر ہے کہ نظام مصطفی پارٹی کے سیکرٹری جنرل مخدوم محترم السید حامد سعید کاظمی رحیم یار خان سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ایم۔این۔اے منتخب ہو گئے ہیں عقل بتاتی ہیں کا خیال ہے کہ صاحبزادہ صاحب قبلہ ایم این اے کا ٹکٹ مخدوم بے نظیر بھٹو نے اپنے دستخطوں سے جاری فرمایا اور صاحبزادہ صاحب نے پی پی پی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی ہے آئین پاکستان کی رو سے اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جبکہ پیپلز پارٹی کے منشور میں یہ درج ہے اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ عوام ہیں، پیپلز پارٹی سوشلزم کا نعرہ لگاتی ہے جبکہ نظام مصطفی پارٹی وطن عزیز میں نظام مصطفی کیلئے کوشاں ہے۔ یہ ہم متضاد پہ کیسی وہ...

امید کی جا سکتی ہے مخدوم محترم السید حامد سعید کاظمی ایوان زیریں میں یہ قرارداد ضرور پیش کریں گے کہ ملک میں شراب خانہ خراب پر دائمی پابندی لگائی جائے۔

[illegible]

جو حکمران کو حاضر و حاضر جانتے والے اقتدار اعلیٰ کے ایوانوں کے مہربان اقتدار والا صاحبان مستقبل کے حکمران

حضرت مولانا فضل الرحمن کو حس ریوز میں شامل کر دیجئے راہی کی زبان ہو گئے ہیں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کا تازہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے کہ بلوچستان کی وزارت اعلیٰ کیلئے جے یو آئی کا حق ہے دو بھی آخر کبھی ان کے حل ہوتے پر دوستوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا اور اقتدار کی خاطر نئے دوست بنا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن کا پرانا وطیرہ رہا ہے، گول سر مشتق چہرہ وحشی آنکھیں، موٹا تازہ جسم سوچ عوامی، عادات غیر عوامی حضرت مولانا فضل الرحمن کا طرہ امتیاز ہیں۔ حضرت کے سیاسی نظریات بھی گول مول سے ہیں جنہیں لوگوں کو سمجھنے اور انہیں سمجھانے میں ہمیشہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جمہوریت کے گن گاتے ہیں اور اسے تمام مسائل کا حل قرار دیتے ہیں لیکن جمہوریت براستہ جی ایچ کیو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔

[illegible]

چوہدری برادران نے فرمایا ہے کہ صدر صاحب کا بھرپور ساتھ دیا جائے گا، جنرل صاحب کا صدارت پر براجمان رہنا چوہدری برادران کیلئے متاع حیات ہے۔ بڑے چوہدری صاحب کی پریس کانفرنس کو عام فہم الفاظ میں بیان کرنے کے لیے سات آٹھ ترجمانوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کار خیر اکیلے سرانجام دینا مشاہد اور محمد علی کے بس کا روگ نہیں۔ چھوٹے چوہدری صاحب مشرف کی دفاعی جنگ لڑنے کیلئے ہمہ وقت مصروف اور ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ پچھلے پانچ سال وصی ظفر اور شیر افگن نیازی کے ساتھ مل کر گنگناتے رہے۔ نہ میرا پاکستان ہے نہ تیرا پاکستان ہے یہ اس کا پاکستان ہے جو صدر پاکستان ہے۔

چوہدری برادران متضاد خوبیوں کے مالک ہیں پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں، وہیں پر وہ تبلیغی جماعت کی مکمل سرپرستی فرماتے ہیں وہ بڑے چوہدری صاحب نے عبدالرشید غازی کو دوران مذاکرات تھپکی دی تھی آپ جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں، میری بیوی نے بھی اپنے کمرے سے ٹی وی اٹھوا دیا ہے لیکن عین موقع پر جب غازی عبدالرشید کو چوہدری صاحب کی ضرورت پڑی تو یہ تاوان کر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔

چھوٹے چوہدری صاحب کے تعلیمی انقلاب کی بازگشت C.N.N پر بھی سنائی گئی یہ الگ بات ہے کہ چوہدری صاحب اور ان کے ہم قبیلہ چوہدری، وڈیرے جاگیردار اور مخدوم زادے اپنے مزارعوں، ہاریوں اور مریدوں کو تعلیم سے کوسوں دور رکھتے ہیں نواز شریف کی پجارو کو نت ہاؤس گجرات میں چوہدری صاحبان نے کندھوں پر اٹھوایا تھا لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ جب نواز شریف صاحب سلاخوں کے پیچھے تھے چوہدری برادران مشرف صاحب کے ہم خیال بن گئے اسی ہم خیالی میں چوہدری برادران نے نواب اکبر بگٹی سے ان کے جو خاندانی مراسم تھے انہیں پس پشت ڈال دیا، حقوق نسواں بل کو بھی ہضم کر لیا، پاکستانیوں کے قتل عام پر چپ کا روزہ رکھ لیا شاہ سے شاہ کی وفاداری کی۔ چوہدری صاحبان کیلئے اب بھی وقت ہے کہ مشرف کے ناکردہ کارناموں کے وکیل صفائی بننے کی بجائے اپنے آپ کو عوامی عدالت میں پیش کر دیں کیونکہ پاکستانی قوم نے حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے وصال کے بعد آج تک سیاستدانوں کو معاف کرنے کا وطیرہ بنا لیا ہے، اگر آپ اب بھی چوہدری برادران کے گھروندے کے ستون بنے پر قائم رہے تو چوہدری برادران پر یہ مقولہ صادق آئے گا....... نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

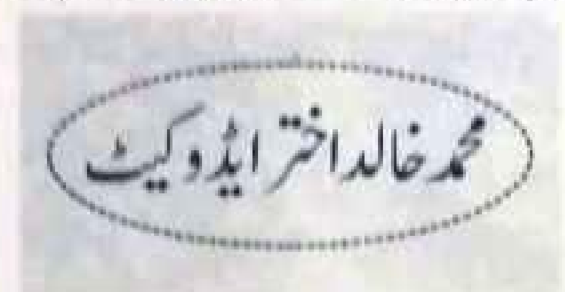
JUP کو تحریک استقلال بننے سے بچایا جائے

خبر ہے کہ جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی شوریٰ وعاملہ نے تین رکنی کمیٹی تشکیل دے دی ہے، کمیٹی میں پیر اعجاز احمد ہاشمی، صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر اور قاری محمد زوار بہادر شامل ہوں گے۔ قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمن کو مجلس عمل قائم رکھنے پر مذکورہ کمیٹی آمادہ کریگی، امام نورانی کے وصال کے بعد متحدہ مجلس عمل میں نہ عمل رہا نہ متحدہ سب سے حضرت مولانا سمیع الحق اپنے مفادات کی خاطر مجلس عمل سے علیحدہ ہو گئے اور خود سینٹ میں خارجہ کمیٹی کے رکن بن گئے اور اپنے صاحبزادہ کو قومی اسمبلی میں اسٹینڈنگ کمیٹی کی چیئرمین شپ دلوادی۔ مولانا نورانی کے وصال کے بعد چند ہی روز بعد مجلس عمل کے عمائدین نے ایل ایف او کا کڑوا گھونٹ نوش فرمالیا، وانا، وزیرستان اور کوہلو میں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہا، اور مجلس خاموش تماشائی بنی رہی، نام نہاد حقوق نسواں بل منظور ہو گیا اور وردستان محراب ومنبر وعدہ کے باوجود ایفائے وعدہ نہ کرسکے۔ جے یو پی کو اسی دن مجلس عمل سے الگ ہوکر اپنی نیک نامی میں اضافہ کرنا چاہئے تھا، جس دن ایل ایف او کی منظوری ہوئی تھی، کیونکہ یہ وہی ایل ایف او تھا جس پر مولانا شاہ احمد نورانی کا ایک اصولی موقف تھا یہ آئین کا حصہ نہیں بن سکتا، بقول میاں رضا ربانی مولانا نورانی نے نقاہت کے باوجود ایوان بالا میں تین گھنٹے کھڑے ہوکر ہمارے ساتھ نو ایل ایف او کے نعرے لگاتے رہے، انتخابات کے موقعہ پر فضل الرحمن نے جے یو پی کے ساتھ جو ڈرامہ رچایا جے یو پی کے تمام قائدین عموماً اور حضرت صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر خصوصاً اس سے آگاہ ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت بھی مولانا نورانی کے پروانے جانثار پاکستان کے ہر ضلع اور تحصیل میں موجود ہیں، اپنا تن من سب کچھ نظام مصطفی کے نفاذ اور مقام مصطفی ﷺ کی خاطر لٹانے کیلئے تیار ہیں، سرکاری اور سیاسی پلیٹ فارم پر اہلسنت کی نمائندہ جماعت جمعیت علماء پاکستان کو سمجھا جاتا ہے، متحرک ومنظم قیادت نہ ہونے کی وجہ سے جے یو پی کے کارکن آہستہ آہستہ تتر بتر ہورہے ہیں، عمائدین جے یو پی کو چاہئے کہ وہ بیساکھیوں کو سہارا لینے کے بجائے اپنے ہی پلیٹ فارم کو منظم کریں، اس وقت جے یو پی کی جو صورت حال ہے، اگر عمائدین جے یو پی نے اس پر غور نہ کیا تو آئندہ دو تین سالوں کے بعد اہلسنت کی نمائندہ سیاسی جماعت جے یو پی کا وہی حال ہوگا جو اس وقت نوابزادہ نصر اللہ مرحوم کی پاکستان جمہوری پارٹی حمید الدین المشرقی کی خاکسار تحریک اور ائیر مارشل اصغر کی تحریک استقلال کا ہے۔

فضا میں پھر رہے ہیں خزاں کے ہرکارے
چمن بچاؤ غم آشیاں کا وقت نہیں

عدلیہ کا بحران

صدر پرویز مشرف کے گزشتہ سال ۳ نومبر اور اس کے بعد بحیثیت چیف آف آرمی اسٹاف کئے گئے غیر آئینی اور غیر قانونی اقدامات پر مہر تصدیق ثبت کر کے ملک کی سب سے بڑی عدالت نے خود عدلیہ کو اس کی اہم ترین خصوصیات "آزادی وخود مختاری" سے محروم کر دیا ، یہی نہیں بلکہ فرد واحد کو 1973 کے آئین سے ترمیم کا کلی اختیار دے کر انہیں اس پہلے سے مسخ شدہ بلکہ یوں کہا جائے دنیا کے معذوب ترین آئین میں اپنی مرضی سے مزید پیوند کاری کی اجازت دے دی ، اعلیٰ عدالتوں کے آزاد منش ججوں سے محروم ہونے سے اس ملک کے عوام نے اپنا اہم ترین اثاثہ عدلیہ پر ان کا اعتماد ، جو معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے ۲۰ جولائی کے فیصلے سے کسی حد تک بحال ہو گیا تھا بھی کھو دیا ہے ، وکلاء کی معزول ججوں کی بحالی کی تحریک زور و شور سے جاری ہے ، اس حوالے سے جو نکتہ سب سے زیادہ زیر بحث رہا ہے وہ یہ ہے کہ آیا جج ایک انتظامی حکم کے ذریعے بحال ہو سکتے ہیں یا اس کے لیے مجلس شوریٰ (پارلیمان) کی سادہ اکثریت سے قانون سازی ناگزیر ہے یا پھر اس کے لیے دو تہائی اکثریت سے آئینی ترمیم کی ضرورت ہے ، میری رائے میں ججوں کو جس طرح ایک انتظامی حکم کے ذریعہ معزول کیا گیا اسی طرح انتظامی حکم کے ذریعہ بحال بھی کیا جا سکتا ہے بہر حال یہ ایک آئینی اور قانونی نکتہ ہے ، ان سوالات کا جواب خواہ کچھ بھی ہو خوش آئند بات یہ ہے کہ اس امر پر ۱۸ فروری کے انتخابات میں فتح یاب ہونے والی تینوں اہم جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی ، مسلم لیگ (نواز) اور عوامی نیشنل پارٹی کا اتفاق نظر آتا ہے کہ ہر طرف ججوں کو بحال ہونا چاہئے ، ایک جمہوری معاشرے کے قیام کے لیے آزاد عدلیہ انتہائی ضروری ہے جمہوریت کے لیے کہا جاتا ہے کہ عوام کے ذریعے عوام کے لیے عوام کی حکومت ہے ، انتخابی نتائج کے بارے میں کم و بیش تمام تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ صدر صاحب کی پالیسیوں کے خلاف عوامی ریفرنڈم ہے ، یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ عوام نے معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی برطرفی کے گزشتہ سال 9 مارچ کے اقدام کے



خلاف جس طرح اپنی رائے کا اظہار کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ، انہوں نے گھنٹوں چیف جسٹس کا انتظار کر کے جلوس ان کے جلوس میں پیدل چل کر اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے استقبالیہ اجتماعات میں شرکت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نہ صرف عدلیہ کی آزادی کے قائل ہیں بلکہ اس کے اعلیٰ ترین منصب کے حامل اسامی پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں ، مذکورہ جماعتیں جمہوری اقدار پر یقین رکھتی ہیں اور ان کے سربراہان و دیگر رہنما مختلف ادوار میں طرح طرح کی آزمائشوں سے گزر چکے ہیں لہٰذا یہ گمان کہ یہ جمہوری اداروں بالخصوص عدلیہ کی مضبوطی و بحالی سے کسی طرح پہلوتہی کریں گی یا یہ کہ انہیں عوامی امنگوں کا احساس نہیں ہوگا ، نہ صرف غلط ثابت ہو سکتا ہے بلکہ اپنی رائے کا قبل از وقت اظہار کرنے کے مترادف ہوگا جو کسی طرح بھی درست نہیں اور 9 مارچ کے اعلان مری اور عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفند یار ولی کی جانب سے ججوں کی بحالی کے طریقہ کار کی تائید کے بعد کم از کم سیاسی جماعتوں کے حوالے سے قیاس آرائیوں کی اب کوئی گنجائش نہیں ، اس ضمن میں ایک اور بات جو پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کہتے رہے ہیں کافی اہم ہے اور وہ یہ کہ وہ اقتدار کے ساتھ ساتھ اختیار بھی چاہتے ہیں یعنی صدر پرویز مشرف کے غیر آئینی اقدامات کا تسلسل کے بغیر اختیار کا تصور محال ہوگا ججوں کی بحالی کے مخالفین انہیں عدلیہ کی آزادی کا مخالف کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اپنی گفتگو میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ، اول تو یہ کہنا عوام کی سیاسی سوجھ بوجھ کی تضحیک ہے وہ حالیہ انتخابات میں بھرپور انداز میں کر چکے ہیں ، دوئم اگر عوام خواہ اس کے ذہنوں میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے تو اس کا ازالہ ضروری ہے ، ہنگامی حالات کے نفاذ اور ججوں کی برطرفی کے فوراً بعد جب وکلاء نے ملک بھر کی اعلیٰ عدالتوں کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا تو انہوں نے واضح کیا کہ وہ ماتحت عدالتوں کا روزانہ صرف ایک گھنٹہ اور ہفتہ میں صرف ایک دن کے لیے دن بھر بائیکاٹ کریں گے ، یہ وکلاء کے ان عدالتوں پر اعتماد کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک تو ہنگامی حالت کے نفاذ کا براہ راست ذیلی عدالتوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور دوئم یہ ہے کہ وکلاء مطمئن تھے کہ ہنگامی حالت کے نفاذ کے باوجود ان عدالتوں کے جج آزادی اور غیر جانبداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے ، اس کا عملی مظاہرہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے مقدمات میں دیکھنے میں آیا ، ان مقدمات میں بالخصوص سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں کو گرفتار اور نامزد کیا گیا تا کہ وہ انتخابی مہم میں حصہ نہ لے سکیں ، یہ درست ہے کہ روز مرہ کے معاملات اور چھوٹے مقدمات میں عام لوگوں کا واسطہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں سے نہیں ہے تاہم ان کی بحالی سے عوام کی دلچسپی کی بنیاد

کوئی وجہ نظر نہیں آتی لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ ہر صوبے کی ہائی کورٹ (عدالت عالیہ) صوبے کے ماتحت عدالتوں کے ججوں کی نہ صرف بھرتی (Appointment) کی مجاز ہے بلکہ ان کے انتظام و انصرام اور کارکردگی کی دیکھ بھال کی بھی ذمہ دار ہے۔ اسی طرح ملک بھر کے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی بھرتی (Elevation) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورے سے ہوتی ہے۔ اس لیے اگر اعلیٰ عدالتیں آزاد نہیں ہوں گی تو اس کے بالواسطہ اثرات ماتحت عدالتوں پر ضرور پڑتے ہیں، اس ضمن میں اخبارات میں شائع شدہ کچھ خبروں و دیگر واقعات سے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، ہنگامی حالت کے نفاذ کے دو روز بعد بھی صوبہ سندھ میں حبس بے جا کی ایک درخواست پر تھانہ پر چھاپہ مارنے والے مجسٹریٹ کے ساتھ تعاون نہ کرنے پر متعلقہ ایڈیشنل سیشنز جج نے تھانہ کے S.H.O کو اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کیا، نوٹس کے اجراء کے چند گھنٹوں کے اندر ہی جج صاحب کو سندھ کی عدالت عالیہ سے حکم ملا کہ وہ اپنی ذمہ داری کسی اور کے حوالے کر کے فوراً عدالت عالیہ کو کراچی رپورٹ کریں، کیا ایک تھانے دار اتنا بااثر ہے؟ ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد چار ماہ کے عرصے میں سندھ کی ماتحت عدالتوں میں ججوں کے تبادلوں کے جتنے احکامات جاری ہوئے ہیں، شاید عمومی حالات میں چار سال میں بھی نہ ہوسکیں اس کے علاوہ لاتعداد ایسے ججوں کو بحال کیا گیا ہے جن کو تادیبی کارروائیوں کے بعد ملازمت سے فارغ کیا گیا تھا، اور ان کی اپیلیں بھی خارج ہو چکی تھیں، اس طرح کے اقدامات سے ایماندار، محنتی اور فرض شناس ججوں کی دل شکنی ہوئی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اگر ان حالات میں محکمہ جاتی ترقی کے لیے کمیٹی نے سفارشات کیں تو وہ کس حد تک منصفانہ ہوں گی، اور اس طرح اگر نئی تقرریاں کی گئیں تو وہ کس قدر میرٹ پر ہوں گی۔ اس کے علاوہ ایک اور واقعہ جو کہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے ججوں کی بحالی کے حامیوں کی چشم کشائی کے لیے کافی ہے گورنر سندھ کو سندھ ہائی کورٹ میں ایک تقریب سے خطاب کرنا تھا جو شام کو چار بجے کے بعد منعقد ہوئی، اس تقریب میں ماتحت عدالت کے ججوں کو اس طرح لے جایا گیا جس طرح سابقہ حکومتی جماعت یونینوں، پرائمری اسکولوں کے اساتذہ و دیگر سرکاری ملازمین کو صدر پرویز مشرف کے جلسوں میں لے جاتی تھی، اس طرح کے واقعات سے نہ صرف ججوں کی عزت نفس مجروح ہوئی بلکہ ان کے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچی، اور اس سے ان کی کارکردگی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ سابق وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم کے طرز تکلم سے کون واقف نہیں اور عدلیہ کے بارے میں انہوں نے جو زبان استعمال کی، اس پر پورے ملک کی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا گواہ ہے لیکن ان کے خلاف توہین عدالت کے مقدمہ میں کیا فیصلہ ہوا؟ ۱۲ مئی کے دل خراش واقعات کے مقدمہ میں عدالت عالیہ سندھ کے فیصلے کے بعد ہر معقول ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر خود ریاست کسی وجہ سے اپنے شہریوں کے جان و مال، عزت و آبرو، تجارت و کاروبار اور ان کے آزادانہ نقل و حرکت کے بنیادی آئینی حقوق کا تحفظ نہ کر سکے تو ایسی صورتحال میں عدالتوں کا کیا کردار ہونا چاہیے۔ اس تمام صورتحال سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک آزاد اور خودمختار، اور ان صفات سے عاری عدلیہ میں کیا فرق ہے؟ وکلاء کی ججوں کی بحالی کے لیے موجودہ تحریک ملک میں آئین کی بالادستی، قانون کی حکمرانی اور عدلیہ کی آزادی کی عظیم منزل کی جانب ایک سنگ میل ہے، لہٰذا ملک کے تمام طبقات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں، اسی میں پاکستان کی سلامتی و بقا، اور ہمارے تمام مسائل کا حل پوشیدہ ہے، آخر میں ایک انتہائی اہم نکتہ کی نشاندہی ضروری ہے، اہل اقتدار ججوں کی بحالی کے لیے پارلیمان سے رجوع کرتے ہیں یا نہیں، یہ ان کی حکمت عملی پر منحصر ہے، لیکن وہ آئین کی دفعہ (6) کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں، جس میں آئین کو توڑنے یا منسوخ کرنے ایسی کوشش کرنے یا اس عمل میں کسی کی مدد یا معاونت کرنے والے کو ملک و قوم سے غداری کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسے جرائم کے مرتکب افراد کی سزا کا تعین کرنے کی ذمہ داری پارلیمان پر ڈالی گئی ہے، لیکن بدقسمتی سے اب تک پارلیمان نے اپنی اس ذمہ داری کو نہیں نبھایا اور یہی وجہ ہے کہ ہر آمر ایسے گھناؤنے جرم کا بڑی دیدہ دلیری سے مرتکب ہوتا ہے، اور وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ملک کے سب سے بڑے منصفوں یعنی ججوں کو بھی اپنے ساتھ اس جرم میں شریک کر لیتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ پارلیمان کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر اس اہم قانون سازی کی طرف متوجہ ہوتا کہ آئندہ کوئی آمر آئین کو توڑنے کی جسارت نہ کرے۔

9 مارچ سے 9 مارچ تک

''آئین و قانون کی بالادستی اور آزاد عدلیہ کی جدوجہد کا ایک سال''

9 مارچ 2007ء پاکستان کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین دن کی حیثیت رکھتا ہے، اس دن پاکستان کے فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف نے ملک کی سب سے بڑی عدالت کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اپنے کیمپ آفس میں بلا کر پہلے ان سے استعفیٰ دینے کا مطالبہ کیا اور جب انہوں نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا تو انہیں کئی گھنٹے قید رکھنے کے بعد بدعنوانی اور اختیارات سے تجاوز کے الزامات عائد کرتے ہوئے آئین کی متعلقہ آرٹیکل کے تحت ان کے خلاف ایک ریفرنس دائر کر کے معطل کر دیا، اور ان کی جگہ پر دستور کے واضح احکامات کے باوجود ایک قائم مقام چیف جسٹس مقرر کر کے دنیا کی تاریخ میں نظام عدل کے خلاف کمانڈو ایکشن کی ایک ایسی نادر مثال قائم کی جس کی نظیر اس سے قبل ہمیں دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، چیف جسٹس کے خلاف حکومتی کمانڈو ایکشن کا یہ سلسلہ صرف ان کی معطلی پر ختم نہیں ہوا بلکہ ان کے ساتھ نہایت ہتک آمیز سلوک اختیار کیا گیا، انہیں زبردستی سپریم کورٹ جانے سے روکا گیا، ان کی کار سے چیف جسٹس اور گھر سے قومی جھنڈا اتارا گیا، گھر پر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری تعینات کر کے انہیں گھر میں نظر بند کر دیا گیا لفٹر کے ذریعے ان کی گاڑیاں اٹھالی گئیں، اور بیرونی دنیا سے رابطے کے تمام ذریعے منقطع کر دیئے گئے، ان اقدامات کے نتیجے میں فطری طور پر کچھ لمحات کے لئے پورے ملک پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہوئی لیکن جلد ہی دکھ، حیرت اور افسوس کے بادل چھٹنے لگے اور جیسے ہی قوم کو معلوم ہوا کہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے عدلیہ پر حملہ آور ہونے والوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا ہے اور اپنی اور عدلیہ کی حفاظت اور قانون کی بالادستی کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا ہے تو پوری قوم ایک نئے جذبے کے ساتھ معزول چیف جسٹس کے ساتھ یکجہتی کے اظہار اور عدلیہ کی آزادی، عزت و وقار، دستور و قانون کی بالادستی اور حکومتی دراندازیوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور کراچی تا خیبر تک یک زبان ہو کر انصاف اور قانون کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے معزول چیف جسٹس کے ایک حرف انکار کی بدولت ملک بھر کے وکلاء، اور سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کی جدوجہد ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی، اور معزول چیف جسٹس کے وکلاء بیرسٹر اعتزاز احسن، طارق محمود، حامد خان، منیر اے ملک اور علی احمد کرد نے معزول چیف جسٹس کی باعزت بحالی کی اس تحریک کو باقاعدہ منصوبہ بندی اور اس قدر منظم طریقے سے چلایا کہ اس

عبدالرؤف مصطفائی

نے حکومت کو عملاً بے بس کر کے رکھ دیا، گوکہ معزول چیف جسٹس کی بحالی کی اس جدوجہد میں بے شمار وکلاء پولیس تشدد کا نشانہ بنے، پچاس سے زائد افراد اور کئی وکلاء اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، نجی چینل پر حملہ کیا گیا اور میڈیا کی آزادی پر پہرے لگائے گئے لیکن بالآخر 20 جولائی 2007ء کو ملک بھر کے وکلاء، سول سوسائٹی اور عوام کی جدوجہد چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کی اپنے عہدے پر باعزت بحالی پر اختتام پذیر ہوئی۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ رہا ہے کہ غلام محمد، اسکندر مرزا، ایوب خان، جنرل محمد ضیاء الحق سے لے کر جنرل پرویز مشرف تک پاکستان کا آئین ہر آنے والے حکمران کیلئے صرف ایک ایسی دستاویز کی صورت اختیار کر گیا، جس کی حکمران جب چاہیں اور جیسی چاہیں تعبیر و تشریح کر لیں، ہر مارشل لاء دور میں مقننہ (پارلیمنٹ) کی حیثیت ربڑ اسٹمپ کی بھی نہیں رہی، تمام ریاستی اداروں کے اختیارات اور حقوق سلب کئے گئے، اور اقتدار کے سارے سوتے، سارے چشمے اور سارے راستے ایک ہی ذات چیف ایگزیکٹیو میں مرتکز ہوگئے، اس صورتحال میں عدلیہ کا کردار ''نظریہ ضرورت'' کی وجہ سے معاشرے کے اکثر طبقات کیلئے سوالیہ نشان بنا رہا، ہماری قومی زندگی کے جمود زدہ جوہڑ کے ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلی ہلچل اس وقت پیدا ہوئی جب عدلیہ کے کئی معزز صاحب ضمیر ججوں نے جنوری 2000ء موجودہ حاکم وقت کے نافذ کئے ہوئے (P.C.O) پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کر دیا، ان معزز ججز کا (P.C.O) پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار آزاد و خودمختار عدلیہ کی جانب وہ پہلا قدم تھا جس نے سپریم کورٹس کے ججز کو 9 مارچ 2007ء کے غیر آئینی حکومتی فیصلے ''چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی معطلی'' کے احکامات ماننے سے انکار کی راہ دکھائی، اور 20 جولائی 2007ء کو سپریم کورٹ کے فل بینچ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی مکمل پروٹوکول کے ساتھ بحالی کے متفقہ فیصلے نے پاکستان میں ایک آزاد، خودمختار اور باوقار عدلیہ کی بنیاد رکھ کر ملک میں طاقت پر قانون کی بالادستی کے اصول کو قائم کر دیا، فل کورٹ کا یہ تاریخی فیصلہ ظلمتوں کی ماری اس قوم کیلئے روشنی کا پیغام اور مستقبل پر بھروسے کی نوید لایا تھا، قوم کو امید کی ایک نئی کرن دکھائی دی تھی وہ سمجھتے تھے کہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی قیادت میں 60 سالہ طویل سیاہ ظلمتوں کی رات کے بطن سے تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی ہے، قوم بہت پرامید تھی اور وہ چیف جسٹس کی قیادت میں انصاف، احتساب، قانون کی بالادستی اور کسی تمیز و امتیاز کے بغیر مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچتے دیکھنا چاہتی تھی لیکن افسوس کہ عدلیہ کی بحالی اور آزادی زیادہ عرصے قائم نہ رہ سکی، ہمارے حکمرانوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش اور خواہش رہی کہ عدلیہ ان کی مرضی و منشاء کے مطابق فیصلے صادر کرے اور عوام الناس میں اپنی عزت وقار کھو بیٹھے، ملک سے قانون و انصاف کا جنازہ نکل جائے، بھی

بھی لوگوں کے دلوں میں تبدیلی کی خواہش پیدا نہ ہو، نہ ہی کوئی سر اٹھائے اور نہ ہی کہیں سے کوئی آواز بغاوت بلند ہو، عوام ظلم وجبر اور زیادتی کے آگے سر تسلیم خم کر کے حاکم کی رضا کے مطابق زندگی گزاریں، تاکہ ان کا اقتدار قائم ودائم رہے اور وہ طویل عرصے تک ملک وقوم کی تقدیر کے مالک بنے رہیں، چنانچہ 3 نومبر 2007ء کو چیف جسٹس جناب افتخار محمد چوہدری کے جرأت مندانہ فیصلوں اور عام آدمی تک انصاف کی فراہمی کے عزائم کی راہ میں ایمرجنسی پلس کی دیوار کھڑی کر کے ان کا راستہ روک دیا گیا، اور نہ صرف چیف جسٹس بلکہ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ 60 سے زائد ججز نے P.C.O کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کر کے عدلیہ کی آزادی کی نئی راہیں متعین کیں، معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے 5 مئی 2005ء کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا عہدہ سنبھالا تھا اور قواعد کے مطابق 2012ء تک انہیں اس عہدے پر تعینات رہنا تھا، جب سے وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنے انہوں نے سرعت سے عام اور غریب آدمی کے مسائل پر سوموٹو ایکشن لینے شروع کئے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عدالتوں کا احترام پھر انگڑائی لینے لگا اور عوام کی توقعات عدالتوں کے ساتھ وابستہ ہونے لگیں، نور محمد تاجک کا کیس ہو، شادی بیاہ کے کھانوں کا مسئلہ ہو، ونی اور سوارہ کی رسم ہو یا پھر بسنت، چیف جسٹس کے سوموٹو ایکشن نے عوام کے دلوں میں محبت اور احترام میں اضافہ کیا، وہ ٹیلی ویژن، اخبارات اور عام آدمی کی درخواستوں تک پر ایکشن لیتے تھے، اور اسی وقت تمام سرکاری مشینری کو عدالت میں طلب کرتے تھے اور مظلوموں کو انصاف اور فوری ریلیف دیتے تھے، وہ وکلاء کی درخواست پر کیس ملتوی نہیں کرتے تھے، وہ بھری عدالت میں حکومتی اہلکاروں کو ڈانٹنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور ان کی ذات غیر آئینی اقدامات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی جاتی تھی، جس کی وجہ سے بیوروکریسی ان سے سخت نالاں تھی اور اس کے لئے ایسا چیف جسٹس ناقابل برداشت اور ناقابل قبول تھا، یہی وہ وجوہات تھیں جو چیف جسٹس کی دوبارہ معزولی کا سبب بنیں اور حکومت کو ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کیلئے ایمرجنسی پلس کا سہارا لینا پڑا۔

آج چیف جسٹس اور عدلیہ کی معطلی کو چار ماہ سے زائد عرصہ بیت چکا ہے، چیف جسٹس اپنے خاندان کے ساتھ گھر میں نظر بند ہیں، ملک بھر کے وکلاء ان کی بحالی کے حق میں عدالتوں کا بائیکاٹ اور احتجاجی مظاہرے کر رہے ہیں، عوام اور سول سوسائٹی سراپا احتجاج ہے اور عدلیہ کی بحالی کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے، 9 مارچ کو عدلیہ کی بحالی کی جدوجہد کو ایک سال ہو رہا ہے، اس موقع پر ملک بھر کے وکلاء نے ہفتہ سیاہ منانے کا اور معزول ججز کی صدارت میں بار کونسلوں میں کنونشن منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے، دوسری جانب وکلاء، سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو دیکھتے ہوئے حکومت نے بھی عدلیہ کی بحالی کا ان شرائط پر مشروط عندیہ دیا ہے کہ بحال کئے گئے جج صدر کے خلاف کیسوں کی سماعت نہیں کریں گے، معزول چیف جسٹس بحالی کے بعد رضاکارانہ طور پر مستعفی ہو جائیں اور سیاسی جماعتیں پارلیمنٹ میں صدر کے خلاف مواخذے کی تحریک پیش نہیں کریں گی، لیکن حالات وقرائن بتا رہے ہیں کہ چیف جسٹس نے ماضی میں بھی اس قسم کی شرائط اور مراعات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور آج بھی ان سمیت پوری قوم کا مطالبہ غیر مشروط طور پر 3 نومبر کی پوزیشن پر عدلیہ کی بحالی ہے، اس وقت قومی منظر نامہ یہ ہے، عوام مسلم لیگ (ن) کی جانب سے الیکشن میں عدلیہ کی بحالی کے کئے گئے وعدے کی پاسداری کے منتظر ہیں، انہوں نے ذرائع ابلاغ اور وکلاء سے قوم وملک کی آزادی اور ظالمانہ طرز حکمرانی کے خلاف مزاحمت کی امیدیں وابستہ کر لی ہیں، عدالتی تحریک کے بعد وکلاء برادری اور اہل صحافت دونوں ہی قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھ رہے ہیں، جس سے حکمرانوں کی اخلاقی ساکھ اور قانونی وآئینی جواز بری طرح مجروح ہو رہا ہے، عدلیہ کی بحالی اور قانون کی بالادستی کا سفر ابھی جاری ہے، معاشرہ تیزی سے سماجی انقلاب کی طرف بڑھ رہا ہے، اور معزول عدلیہ اس انقلاب کی ہیرو بن کر ابھر رہی ہے، آج پوری قوم پکار پکار کر چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اپنے مسائل کا مسیحا اس لئے قرار دے رہی ہے کہ ان کی قیادت میں سپریم کورٹ نے انصاف پر مبنی عوامی فیصلے کرنا شروع کر دیئے تھے، یاد رکھیے قوموں اور معاشروں کی سلامتی وبقا کا دارومدار عدلیہ کی آزادی اور اس کی Credibility پر ہوتا ہے، ہمارے اس دیمک زدہ معاشرے میں عدالتیں ہی امید کی وہ آخری کرن ہیں جن کے انصاف پر مبنی فیصلے ظلم وناانصافی، سماجی اور معاشی ناہمواریوں سے لیس جاگیردارانہ استحصالی نظام کا خاتمہ کر کے معاشرے کو توازن واعتدال کی راہ پر ڈال سکتے ہیں اور ملک کو اس کی حقیقی منزل کی جانب لے جا سکتے ہیں جس کے خواب دیکھتے دیکھتے ہماری کئی نسلیں گزر گئیں۔

نگراں حکومت کا الوداعی تحفہ

''ملک میں مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے، زندگی کے دن پورے کرنا مشکل ہوگیا ہے، اب تو ہر وقت اپنی موت کی دعائیں مانگتی ہوں'' یہ الفاظ فاضل پور سے تعلق رکھنے والی 138 سالہ مائی مسیل کے ہیں جو 1870ء میں پیدا ہوئی اور اس وقت اپنی چھٹی نسل کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے اپنی زندگی کی 138 بہاریں دیکھنے والی مائی مسیل کی یادداشت کمزور اور بینائی ختم ہوچکی ہے، لیکن اس کے باوجود اسے اچھی طرح یاد ہے کہ ایوب خان کے دور میں آٹا بہت سستا تھا اور جب کچھ مہنگا ہوا تو قوم نعرے لگاتی ہوئی سڑکوں پر نکل آئی تھی ''(4 فروری 2008ء، روزنامہ ایکسپریس)۔ آج 138 سالہ مائی مسیل مہنگائی کے ہاتھوں مجبور ہوکر موت کی دعا مانگ رہی ہے، یہ حال صرف ایک مائی مسیل کا ہی نہیں بلکہ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنے غریب ونادار بھوک وافلاس، بے روزگاری اور مہنگائی کے ہاتھوں مجبور ہوکر موت کی دعا مانگ رہے ہیں اور اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر رہے ہیں لیکن ان غریبوں کی چیخ وپکار اور آہ وبکا کا اثر ہمارے ارباب اقتیار پر نہیں ہورہا وہ آج بھی الفاظوں کی جادوگری کے ذریعے زرمبادلہ کے ذخائر بڑھنے، معیشت کے مستحکم ہونے اور کشکول توڑنے کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ غریب ومفلس کش پالیسی پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔

یکم مارچ 2008ء کو ایک بار پھر نگراں حکومت نے ملک بھر میں پیٹرول 5 روپے، ڈیزل اور مٹی کا تیل ساڑھے تین روپے اور بجلی کی مد میں 9 فیصد اضافہ کرکے نہ صرف غریب ومفلس بلکہ سفید پوش طبقے کی مشکلات میں بے انتہا اضافہ کردیا ہے، گزشتہ روز ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں کئے گئے اضافے کی وجہ بیان کرتے ہوئے نگراں وزیر خزانہ ڈاکٹر سلمان شاہ نے کہا کہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اس لیے اضافہ کیا گیا تاکہ نئی حکومت کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، انہوں نے کہا کہ حکومت نے بڑے عرصے سے قیمتوں میں اضافہ نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے خسارہ بڑھ گیا تھا، حکومت پہلے ہی پیٹرول پر ماہانہ 17 ارب روپے کی سبسڈی دے رہی ہے، انہوں نے کہا کہ عالمی منڈی میں بھی تیل کی قیمت بڑھ گئی تھی جس کے باعث تیل کی قیمتوں میں اضافہ ناگزیر ہوگیا تھا قوم کو قیمتوں کے مزید بڑھنے کی خوشخبری سناتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تیل کی قیمتوں میں یہ اضافہ ابھی سنگل ڈیجٹ میں کیا گیا ہے آئندہ چھ سے بارہ ماہ میں مزید ایڈجسٹ کرنا پڑے گا اور تیل کی قیمتوں میں بتدریج اضافہ کیا جائیگا، دوسری طرف نیشنل الیکٹرک پاور ریگولیٹری اتھارٹی (نیپرا) نے بھی بجلی فراہم کرنے والی کمپنیوں کو قیمتوں میں اضافے کی منظوری دے دی ہے۔

ابن ظفر

معاشی ماہرین اور تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ اگر نگراں حکومت ابتدائی تین ماہ میں کسی نظام کے تحت پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں مرحلہ وار اضافہ کرتی تو اس سے عوام پر یکدم اتنا بھاری بوجھ نہ پڑتا لیکن نگراں حکومت نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس وقت جب کہ وفاق میں نئی حکومت کی تشکیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے اور پیٹرولیم کی مصنوعات کے نتیجے میں آنے والے طوفانی مہنگائی کے الزام سے وقتی طور پر نئی حکومت کسی حد تک ضرور بچ جائے گی لیکن اگر ڈالر کی قدر میں کمی اور سونے کے نرخوں میں اضافے کے نتیجے میں تیل کی قیمتیں اس طرح بڑھتی رہیں تو پھر نئی حکومت بھی زیادہ دیر تک اس کے منفی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکے گی، کیونکہ نگراں وزیر خزانہ ڈاکٹر سلمان شاہ نے نہایت واضح الفاظ میں بتادیا ہے کہ قیمتوں میں ایڈجسٹمنٹ کا یہ سلسلہ چھ سے 12 ماہ تک جاری رہے گا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب تک عالمی مارکیٹ میں تیل کے نرخوں میں کمی نہیں ہوتی اس وقت تک عوام کو یہ ہی نہیں بلکہ اس اضافے سے جنم لینے والی ہوشربا گرانی کا بوجھ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

ہمارے ملک میں بجلی اور پیٹرولیم مصنوعات ایندھن اور توانائی کے اہم ترین ذرائع ہیں، گھریلو، کاروباری اور صنعتی سرگرمیوں اور ٹرانسپورٹ کے ذرائع کا انحصار زیادہ تر انہی دو شعبوں پر ہے، چنانچہ ان دونوں کے نرخوں میں اضافے کے نتیجے میں ملک بھر میں مہنگائی کا ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہے، نگراں حکومت کا یہ فیصلہ نہ صرف عوام کو براہ راست متاثر کرے گا بلکہ بالواسطہ طور پر بھی اس کے اثرات لوگوں کے مالی معاملات پر مرتب ہوتے رہیں گے اور پہلے ہی مہنگائی کے ہاتھوں مارے ہوئے عوام کے مسائل اور بھی بڑھ جائیں گے، لہٰذا ایسی صورتحال میں نگراں حکومت کی جانب سے بجلی پیٹرولیم کے نرخوں میں مزید اضافہ مہنگائی کے بوجھ سے کراہتے ہوئے عوام کیلئے کسی قیامت سے کم نہیں ہے، یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک ایسے موقع پر جب کہ حکومت سازی اپنے آخری مراحل میں داخل ہوچکی ہے اور آئندہ چند روز میں نئی حکومت اقتدار سنبھالنے والی ہے تیل کی قیمتوں میں یہ غیر معمولی اضافہ انتقامی نیتی کی بنیاد پر نئی حکومت کی آسانی کیلئے کیا ہے یا پھر اس کی مشکلات بڑھانے اور تشکیل کے فوری بعد ہی اسے عوامی قہر اور غضب کا شکار بنانے کیلئے کیا گیا ہے، اس کا صحیح جواب تو آنے والا وقت ہی دے گا، لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ نگراں حکومت کی جانب سے عوام کو دیے گئے اس الوداعی تحفے کے اثرات سے آنے والی حکومت کا بچنا آسان نہیں، سیاسی تجزیہ نگار نگراں حکومت کے اس اقدام پر بھی حیران ہیں کہ آخر کیا وجہ تھی جو حکومت نے تقریباً سوا سال تک تیل کی قیمتوں میں اضافے کے عمل کو موخر رکھا، نگراں حکومت بھی بار بار اس معاملے کو نئی آنے والی حکومت کیلئے

پھوڑنے کا اعلان کرتی رہی، مگر اب اچانک ایسی کیا افتاد آپڑی کہ نئی حکومت کے قیام سے قبل پٹرول، تیل کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا گیا اور یہ فیصلہ عوام کے منتخب نمائندوں کیلئے نہیں چھوڑا گیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عالمی سطح پر تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے نتیجے میں گزشتہ چند برسوں کے دوران بین الاقوامی منڈی میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے، جو اس اضافے کو صارفین تک منتقل کرنے کیلئے ان مصنوعات کی قیمتیں بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ حکومت کی یہ بات بھی درست کہ اس نے گزشتہ ایک سال کے دوران پیٹرولیم کی مصنوعات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، ان تمام حقائق کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت بجلی اور پیٹرولیم مصنوعات پر صارفین سے اس کی اصل قیمت سے کہیں زیادہ ٹیکس وصول کر رہی ہے۔ اگر وہ واقعی عوام کی ہمدرد ہوتی اور اسے عوام کی مشکلات کا احساس ہوتا تو وہ عوام کو ہوشربا مہنگائی کے طوفان سے بچانا چاہتی تو اس ٹیکس کی شرح میں کمی کر سکتی تھی۔

پاکستان میں گزشتہ پانچ سال کے دوران روز مرہ کی اشیاء کی قیمتوں میں 8.21% فیصد اضافہ ہوا ہے۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں موجودہ مالی سال 28 فروری تک روز مرہ کی استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں 12.16% فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ سال 2003ء میں پیٹرول کی قیمت میں 33 روپے 08 پیسے تھے جو آج 58 روپے 78 پیسے پر پہنچ چکی ہے، جبکہ اسی عرصے کے دوران ڈیزل کی قیمت 21 روپے 15 پیسے سے بڑھ کر 36 روپے 07 پیسے ہو گئی ہے۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ملک میں غربت کی شرح 35% سے زیادہ نہیں جبکہ آزادانہ ذرائع کے مطابق پاکستان میں غربت کی شرح گزشتہ پانچ سالوں کے دوران بڑھ کر 70 فیصد تک پہنچ چکی ہے اور ملک کی کل آبادی 73% فیصد حصہ غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہا ہے

ان حالات میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ اضافے سے غریب اور متوسط طبقے کے ہر فرد پر کم از کم چند سو سے لے کر ہزار روپے کا اضافی بوجھ پڑے گا، پیٹرول کی قیمت میں اضافے کے ساتھ ہی تمام اشیاء ضروریہ کے نرخوں اور ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جائیگا

پاکستانی قوم جو پہلے ہی مہنگائی، غربت، بے روزگاری ناخواندگی، بھوک افلاس، فاقہ کشی کے باعث خودکشی پر آمادہ ہیں، تو اب ہول سیلرز اور ذخیرہ اندوزوں کی طرف سے خوردنی تیل اور گھی کی قیمت میں 5 سے 10 روپے تک اور اشیاء خورونوش مثلاً آٹے، چینی، دالوں، دودھ، دہی، گوشت، سبزیوں کی قیمتوں میں بھی کئی گنا اضافے کا بھی سامنا ہے، ایک جانب عوام حکومتی اقدامات کے نتیجے میں آنے والی گرانی کی لہر سے دل گرفتہ ہیں، وہاں دوسری جانب ہمارے موجودہ ارباب اقتدار مہنگائی کے اسباب و عوامل تلاش کر کے اس پر قابو پانا اور ذخیرہ اندوزوں، دولت اور سرمایہ داروں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کے بجائے عوام کی تکالیف و مشکلات سے نا آشنا نظر آتے ہیں ان حالات میں مہنگائی پر قابو پانا اور عوام کو ریلیف دینا آنے والی حکومت کیلئے ایک کٹھن آزمائش اور چیلنج سے کم نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی حکومت اقتدار سنبھالنے کے بعد کس طرح مہنگائی کے اس عفریت پر قابو پاتی ہے اور کیونکر اس کے مضر اور منفی اثرات سے پاکستان کے غریب عوام کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔ آنے والے دنوں میں ہی نئی حکومت کے حوصلوں، صلاحیتوں، کمال تدبر اور فہم و فراست کا اصل امتحان ہے اور جس کا نتیجہ مستقبل قریب میں ظاہر ہونے والا ہے۔

میری آواز

بائیکاٹ، وعدے اور چیلنجز؟

شبیر ابوطالب

18 فروری کے عام انتخابات میں بائیکاٹ کرنے [illegible]

[illegible]

ان کا کاروان سیاست کن شاہراہوں پر گشت کرے گا۔ میری ناقص رائے میں بائیکاٹ کرنے والی اکثر جماعتیں اپنے تئیں اس نقطہ پر قائل ہو چکی ہیں کہ انتخابات میں حصہ نہ لینا واقعی کوئی درست فیصلہ نہیں تھا لیکن بعض قائدین اب بھی اس بات پر قائم ہیں کہ ان انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والا سیٹ اپ دیرپا نہیں ہوگا۔ بہر کیف کم از کم اگلا ایک سال جہاں پاکستان کے نئے سیاسی منظر نامے کے لیے اہم ہوگا وہیں یہ سال بائیکاٹ کرنے والی جماعتوں کے لیے بھی اہم ٹیسٹ پریڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پاکستان میں 2002 کے عام انتخابات سے قبل بھی ہوتا رہا کہ سیاستدان اور سیاسی جماعتیں انتخابی مہم کے دوران کیے گئے وعدوں اور اپنے پیش کردہ منشور کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھلا دیا کرتی تھیں اور عوام کی معلومات تک بآسانی رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ایسی سیاسی جماعتیں اپنے دور کے احتساب سے بچنے میں بھی کامیاب ہو جاتی تھیں لیکن پچھلے پانچ سالوں میں میڈیا کی آزادی، عوام کے سیاسی شعور اور عام آدمی کی سیاسی معاملات میں گہری دلچسپی کے باعث سیاسی جماعتوں کے لیے عوامی احتساب سے بچ جانا بہت زیادہ آسان نہیں رہا۔ 18 فروری کے عام انتخابات میں عوام کی بھاری اکثریت نے صدر پرویز مشرف کی مخالف قوتوں کو واضح مینڈیٹ دیا اور عوامی بیداری کی اس بھرپور کامیاب مہم کی ایک وجہ پی پی پی اور ن لیگ کی جانب سے پاکستان کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے عوام کو ایک پروگرام اور پالیسی دینا تھا جس کا اظہار ان دونوں بڑی جماعتوں کی جانب سے اپنے انتخابی جلسوں میں کیے گئے وعدے تھے جو آزاد میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچے اور عوام نے دوسری جماعتوں کی نسبت پی پی پی اور ن لیگ کے پیغام کو قبول کیا۔

لیکن مطلوبہ اکثریت سے زائد ممبران کی حمایت کے ساتھ اقتدار تک پہنچنے والی پی پی پی کی آئندہ کی حکومت کو جہاں داخلی و خارجی چیلنجز کا سامنا ہے وہاں سب سے پہلے اسے ان وعدوں پر عمل کرنے کے لیے اپنا واضح موقف پیش کرنا ہوگا جن کی بنیاد پر عوام نے پی پی پی کو ووٹ دیے۔ اس وقت اہم ترین سوال یہ ہے وزیر اعظم کا منصب سنبھالنے کے بعد کیا پیپلز پارٹی اسی صدر مشرف کے ساتھ ملک کی بھاگ دوڑ میں ہاتھ بٹائے گی جس صدر مشرف سے نفرت کا ووٹ اسے ملا ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا پیپلز پارٹی بھی ن لیگ کی طرح یہ مطالبہ کرے گی کہ صدر استعفیٰ دے دیں اور یا پھر پیپلز پارٹی، ن لیگ اور دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر صدر کے مواخذے کی تحریک پیش کر کے پارلیمنٹ کے ذریعے صدر مشرف کو رخصت کر دے گی۔

دوسرا اہم معاملہ 58-2B کا ہے جس کا مطالبہ پی پی پی ہمیشہ سے کرتی آئی ہے کہ اسمبلی توڑنے کا اختیارات صدر کے پاس نہیں ہونا چاہیے۔ تو پھر کیا آئندہ کی پی پی پی کی حکومت آئین سے 58-2B سمیت صدارتی اختیارات کو ختم کرنے کے لیے قانون سازی کرے گی؟ تیسرا اہم معاملہ جسٹس افتخار چوہدری سمیت تمام ججز کی بحالی کا ہے جس کے لیے اپوزیشن میں رہتے ہوئے پی پی پی نے بڑے بڑے جلوس اور ریلیاں منعقد کیں اب امتحان ہوگا کہ کیا پی پی پی فوری طور پر عدلیہ کی آزادی اور ججز کی بحالی کے لیے کوئی اقدامات کرے گی؟ پھر عدلیہ آزاد اور جسٹس چوہدری بحال ہوتے ہیں تو صدر کی اہلیت اور این آر او کے معاملات کیا ہوں گے؟

پیپلز پارٹی کی آئندہ کی حکومت کے لیے چوتھا مسئلہ موجودہ بلدیاتی نظام کا خاتمہ ہوگا جس پر پی پی پی کے ہمیشہ تحفظات رہے ہیں، پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ قومی حکومت یا تمام سیاسی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے والی آصف زرداری صاحب کی پالیسی میں سابقہ حکومت میں شامل اور سرگرم سیاسی جماعتوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائیگا، بالخصوص وہ جماعتیں جنہوں نے نہ صرف صدر مشرف کی چھتری تلے کام کیا بلکہ انہیں غیر آئینی طور پر منتخب کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا اور مزید یہ کہ اگر سابقہ حکومت میں شامل جماعتوں بالخصوص ایم کیو ایم کو ساتھ نہ لیا گیا تو عدم استحکام کا خدشہ بھی موجود ہے لیکن اگر ساتھ لیا جاتا ہے تو پارٹی کے اندر اختلاف کے ساتھ ساتھ ووٹرز میں بھی مایوسی کا خطرہ ہوگا۔

ان وعدوں کے علاوہ مہنگائی، آٹا، کرپشن بے روزگاری، لاقانونیت، 1973 کے آئین کی بحالی، دہشت گردی کے خلاف جنگ، بلوچستان، وزیرستان میں آپریشن، لال مسجد واقعے کی تحقیقات جیسے چیلنجز بھی درپیش ہیں جن کا ذکر طوالت کے باعث یہاں نہیں کر سکتے لیکن میرے نزدیک پی پی پی قیادت کے لیے اپنے ووٹرز اور بالخصوص پارٹی ورکرز کو مطمئن کرنے کے لیے سب سے اہم جو وعدہ ہے وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو گرفتار کر کے عوامی کٹہرے میں لانا ہے۔ جس کے لیے اقوام متحدہ کی انکوائری کا مطالبہ پی پی پی کی جانب سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ میں ذاتی طور پر محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کی گرفتاری کو اس لیے بھی اہم وعدہ سمجھتا ہوں کہ 18 فروری کے انتخابات میں عوام نے پیپلز پارٹی کو ووٹ بے نظیر شہید کا قرض سمجھ کر بھی دیے اور پی پی پی قیادت نے بھی یہ کہہ کر ووٹ مانگے کہ عوام "تیر پر مہر لگا کر بے نظیر کے قتل کا بدلہ لیں"۔

وعدے بھی کیے گئے ہیں اور چیلنجز بھی درپیش ہیں اور ان وعدوں کو بار بار یاد دلانے کے لیے میڈیا بھی آزاد ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اگلے 6 ماہ میں ان وعدوں میں سے کون سا وعدہ پورا ہوتا ہے؟ کون سے وعدے کو پورا کرنے کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے؟ مخلوط حکومت میں شامل جماعتوں کا اتحاد مزید مستحکم ہوتا ہے یا پھر خدانخواستہ اس میں دراڑیں ڈالی جاتی ہیں؟ خود پیپلز پارٹی بھی بے نظیر بھٹو کے بغیر اپنے تنظیمی ڈھانچے کو کتنا متحد اور مستحکم رکھ سکتی ہے؟ یہ پھر آنے والی نو منتخب اسمبلی کے پہلے اجلاس میں ہی یہ شور سوال کے طور پر اٹھتا ہے کہ "یہ حلف کون سے آئین کے تحت لیا جا رہا ہے" بہر کیف "ہنوز دلی دور است" پہلے تو اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مسئلہ درپیش ہے کہ صدر صاحب یہ اجلاس کب طلب کرتے ہیں؟ یا کب طلب کرنا چاہتے ہیں؟ لیکن عوام امید کر رہے ہیں کہ نئی حکومت سے انہیں یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ

"غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا"

بلکہ آنے والی حکومت کے اقدامات سے ملک کے طول و عرض سے یہ آواز اٹھے گی کہ

وہ کچھ نہ دینے پہ نادم ہے آج تک مجھ سے
میں خوش ہوں مجھ پہ کرم بے حساب اس کے ہیں

میں دعا گو ہوں کہ جو کچھ بھی ہو، ملک و قوم کے لیے بہتر ہو، یہی "میری آواز" ہے۔

"جائیدادیں قوتِ خرید سے باہر"

ذاتی مکان کا حصول مشکل ترین ہوگیا

"اپنا گھر" ہر آدمی کا خواب نہیں ہوتا، ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ کرائے کے گھر میں رہ کر کسی کا مرہون منت نہ رہے اور در بدر کی ٹھوکریں نہ کھائے۔ لیکن اب اپنے گھر کی تعمیر بہت مشکل ہو گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ بچے شادی کے بعد بھی اپنے والدین کے ساتھ رہنا ہی پسند کرتے تھے۔ والدین بھی اپنی اولادوں کو بڑی عمر میں بھی ایسے ہی چاہتے تھے جیسے وہ بچپن میں پیار کرتے تھے بہو اور پوتے پوتیوں کو کھلانا ان کی زندگی کا حاصل تھا بڑے بڑے مکانات میں کئی کئی بیٹے شادی کے بعد بھی یکجا رہتے تھے۔ پھر وقت گزرتا گیا اور مکانات اور دل سکڑتے گئے کئی سو مربع گز کا مکان سکڑ کر گزوں میں تبدیل ہوتا گیا۔ پہلے 240 گز، پھر 120 گز اور پھر 80 گز کے مکانات تیار ہونے لگے۔ محدود جگہ ہونے کے باعث زندگی گزارنے کے کے سلسلے۔ سہولیات میسر نہ ہونے سے ہجرت لازمی قرار پائی ۔ اس لئے بعض اولادوں نے جھگڑے سے پہلے اور اکثریت نے بعد میں گھر سے نکلنا مناسب جانا۔ بہت سے والدین نے خود اپنے شادی شدہ بیٹوں سے کہا کہ تم اب اپنا انتظام کرلو کیونکہ اس چھوٹے گھر میں سب کا مشترکہ رہنا مشکل ہے چھوٹے کی بھی شادی کرنی ہے۔ اس کی بیوی کہاں رہے گی۔ گھر میں موجود باتھ روم، باورچی خانہ اور کمرے تمام بھائیوں کی ضروریات پوری نہیں کرسکتے، اسلئے دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرو۔

یہ کہانی تقریباً ہر گھر کی ہے جہاں والدین کو اس بات کی فکر ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی متروکہ وراثت کہیں تقسیم کے معاملے پر فساد کا سبب نہ بن جائے اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ زندگی میں ہی ان کے ہر بیٹے کا اپنا ذاتی مکان ہو اور وہ وراثت کے جھگڑے کا شکار نہ ہوں۔ ملک میں تو ہزاروں خاندان ایسے بھی ہیں جو نصف صدی گزرنے کے باوجود اپنا گھر نہ بنا سکے۔ تمام عمر کرائے کے مکانوں میں گزاردی، کوئی مستقل ٹھکانہ نہ رہا۔ ہر چند مہینوں اور سال بعد سامان سر پر اٹھائے گلی گلی محلہ محلہ نئے کرائے کے مکان کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ غربت کے مارے یہ افراد جب اپنی محدود آمدنی سے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ نہ پال سکے تو وہ اپنا ذاتی مکان کیسے بنائے۔

سید حمید افسر اشرفی

چند سال پہلے تک تو مکانات کی خرید و فروخت اتنا بڑا مسئلہ نہ تھی، اب یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ملک میں املاک کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے غریبوں کے ہوش اڑا دیے ۔ اب ہر نئے شادی شدہ جوڑے کے لئے گھر کی خریداری مشکل ہی نہیں ناممکن بنادی گئی ہے۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ جائیدادوں کی قیمتوں میں اضافہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ملک معاشی ترقی میں تیزی سے آگے جارہا ہے۔ ہم اس ملک کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل کرکے رہیں گے چاہے اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے جبکہ غریبوں کا یہ موقف ہے کہ یہ ملک کے 98 فیصد غریب افراد کے خلاف سازش ہے ۔ پراپرٹی کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ مصنوعی ہے۔ اس سے صرف امراء کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جائیداد خرید کر مہنگے داموں بیچنا اور خریدنا پھر بیچنا اسی چکر میں بیشتر لوگ راتوں رات کروڑپتی بن گئے۔ خرید و فروخت کے اس کھیل میں غریب سراسر خسارے میں رہا اور اپنا گھر خریدنے اور بنانے کا خواب چکنا چور ہوگیا۔ اب حالت یہ ہے کہ 3 سال قبل جو مکان عام علاقوں میں 13 لاکھ سے 14 لاکھ روپے میں مل جاتا تھا اب اس کی قیمت 110 لاکھ روپے سے تجاوز کرگئی۔ اس طرح ہر علاقے میں اسی تناسب سے قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ متوسط طبقے والے علاقوں میں 120 گز کا مکان 180 لاکھ سے ایک کروڑ روپے میں مل رہا ہے جبکہ فلیٹوں کی قیمت بھی آسمان سے باتیں کررہی ہے۔ جو فلیٹ میں بھی داخل ہونے اور چھوٹے کے لئے لاکھوں روپے درکار ہوتے ہیں۔ اسی تناسب سے پراپرٹی کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں ظاہر ہے اسی حساب سے ان کے کرایوں میں بھی اضافہ ہوا ہے 2 ہزار روپے میں ملنے والا مکان 4 سے 5 ہزار ماہوار کرائے پر دیا جارہا ہے اور ایڈوانس کی مد میں وصول کی جانے والی رقم بھی نصف لاکھ سے کم نہیں۔ ان حالات میں اسٹیٹ ایجنسیوں کا کاروبار بھی عروج پر پہنچ گیا ۔ 2 فیصد کمیشن کی شرح پر سینکڑوں املاک خرید و فروخت کی گئیں۔ بیوپاریوں نے بھی اسی دھندے کو بہتر جانا اور لگایا کیونکہ جتنی بڑی رقم کی خرید و فروخت ہوگی اتنا ہی کمیشن زیادہ ہے گا تو وہ کیوں چاہیں گے کہ قیمتیں گریں۔ دوسری جانب بینکوں کی جانب سے جمع شدہ رقم پر منافع کی شرح کم ہونے سے سینکڑوں لوگوں نے اپنی جمع پونجی بینکوں سے نکلوا کر ان املاک کی خریداری میں لگادی جس سے چند مہینے میں ان کو کئی گنا زیادہ منافع ملنے لگا۔ جس کے باعث پراپرٹی کا کاروبار ہر خاص و عام کے لئے پرکشش بن گیا۔ بعض بڑے سرمایہ کاروں نے بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے اور بڑے پیمانے پر جائیدادیں خرید کر مارکیٹ میں بحران پیدا کردیا جس کے نتیجے میں پراپرٹی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

دبئی میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ پر میوزیم کا منصوبہ

کروڑوں درہم مختص، میوزیم میں ایسی تمام اشیاء رکھی جائیں گی جن سے پیغمبر اسلام کی حیات اور سیرت کا اظہار ہوتا ہو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کے بڑھتے ہوئے واقعات کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا پیغام محبت غیر مسلموں تک پہنچایا جائے۔ دبئی حکام

ریاست دبئی کے اعلیٰ حکام نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ دنیا میں اپنی نوعیت کے پہلے میوزیم کا سنگ بنیاد رکھنے کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں جو پیغمبر اسلام اور فخر کائنات حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ سے منسوب ہوگا۔ اس حوالے سے ملنے والی اطلاعات میں تصدیق کی گئی ہے کہ دبئی کے حکمران شیخ محمد نے ایک فوری حکم کے تحت دبئی کی وزارت مذہبی امور اور اسلامی ثقافت کے شعبے کو کہا کہ وہ دنیا میں اپنی نوعیت کے پہلے میوزیم کے قیام کی کوششیں تیز کریں۔ دبئی کے اخبارات کے مطابق شیخ محمد کا کہنا تھا کہ اس میوزیم کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں رکھی جانے والی تمام تر اشیاء، مخطوطات اور دیگر چیزوں کا تعلق نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہوگا۔ میوزیم کے قیام کی اطلاعات پر عالمی اسلامی میڈیا کا کہنا ہے کہ اس میوزیم کے قیام کی خبر تازہ ہوا کے جھونکے سے کم نہیں ہے، کیونکہ اس وقت جب عالمی سطح پر پیغمبر اسلام کی شان حیات اور سیرت طیبہ کے اظہار کے حوالے سے کئے جانے والے اقدامات قابل ستائش ہیں۔

__نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے حوالے سے__

__قائم کئے جانے والے اس میوزیم کے بارے میں حکام نے بتایا کہ اس میوزیم کے قیام کا مقصد پیغمبر اسلام کی شان روشناس کرانے کیلئے ان کے کام اور ارشادات مبارکہ سے دنیا کو روشناس کرانا ہے۔__ حکام کا یہ بھی کہنا تھا کہ مغربی میڈیا کی جانب سے پیغمبر اسلام کے حوالے سے سامنے آنے والے معاملات اور گستاخی کو مدنظر رکھ کر اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ دنیا بھر میں موجود غیر مسلموں تک نبی کریم ﷺ کا پیغام محبت پہنچایا جائے اور اس کا ایک بہترین ذریعہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کے حوالے سے میوزیم کا قیام ہے۔ کیونکہ اس میوزیم میں ایسی تمام اشیاء رکھنے کا ارادہ کیا گیا ہے جن سے پیغمبر آخر الزماں کی حیات اور سیرت کا اظہار ہوتا ہو۔



__نبی کریم ﷺ کے حوالے سے معروف اخبار خلیج ٹائمز کا کہنا تھا کہ اس میوزیم میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے اظہار والی اشیاء تلاش کر کے رکھی جائیں گی اور اگر ایسی اشیاء کو خریدنا پڑا تو بھاری سے بھاری بولی پر لیا جائے گا جس کے لئے دبئی کی وزارت ثقافت نے کروڑوں درہم کا فنڈ رکھا ہے۔__ رپورٹ میں اس مجوزہ میوزیم کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ دبئی کے حکمران شیخ محمد نے خصوصی دلچسپی لی ہے اور اس بات کی ہدایت کی ہے کہ اس میوزیم کے قیام میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تاکہ ہر پہلو پر سائنٹیفک طریقہ پر کام کیا جا سکے اور اس سے جدید علوم کے ماہرین بھی استفادہ کر سکیں۔ دبئی کلچر اینڈ آرٹ اتھارٹی کے چیئرمین نے بتایا ہے کہ انہیں اس ضمن میں شیخ محمد بن راشد المکتوم کی جانب سے واضح ہدایات مل چکی ہیں اور ان کی ہدایات کی روشنی میں اس پروجیکٹ پر کام شروع کیا جا رہا ہے۔ دبئی کلچر اینڈ آرٹ اتھارٹی کا کہنا ہے کہ انہوں نے اقوام عالم کیلئے اپنے پروجیکٹ کی تفصیلات پر مشتمل ایک خط تیار کیا ہے جو جلد ہی تمام ممالک کو ارسال کر دیا جائے گا اس خط میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے کس طرح اپنی حیات میں امن و محبت کیلئے کام کیا اور دنیا کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے۔ اس خط میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کس طرح آنحضرت ﷺ نے معیشت، معاشرت اور تہذیب کے اصول مرتب کئے۔ دبئی کے آرٹ اینڈ کلچر سینٹر کا کہنا ہے کہ دبئی سے اقوام عالم کا ایک مضبوط رابطہ ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دبئی مغرب اور اسلام کے بیچ ایک پل کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس میوزیم میں نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے تین ادوار کو اجاگر کیا جائے گا تاکہ یہاں کا دورہ کرنے والے ہر شخص کو نبی کریم ﷺ کی شان اور اس کے ہر پہلو سے آگاہی ہو سکے۔ دبئی آرٹ اینڈ کلچر اتھارٹی کے سربراہ ڈاکٹر عمر بن سلیمان کا کہنا تھا کہ ہم دنیا بھر میں ایسے افراد سے رابطے کریں گے جو نبی کریم ﷺ کے ادوار سے منسلک اشیاء اور سامان یعنی نادر چیزیں اپنے پاس رکھتے ہیں، جبکہ ان اشیاء میں نادر قرآن پاک، مخطوطات اور دیگر اشیاء شامل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جلد ہی اس میوزیم کے لئے جگہ کا تعین کر کے اس کی تعمیر کے مراحل شروع کر دیئے جائیں گے۔

ماہنامہ اُفق کے اجراء پر ہم افق کی پوری ٹیم کو
مبارکباد پیش کرتے ہیں
''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''
دُعا گو ں و دُعا جو
محمد عامر چشتی صابری

چائے (تاریخ، فوائد و نقصانات)



ایک برطانوی کمپنی نے ہندوستانی فوج کی خوراک کا خرچہ کم کرنے کے لئے بالخصوص تحقیق کر کے کالی چائے دریافت کی

کالی چائے اور سگریٹ کی طلب بعض حضرات کے اعصاب پر اس قدر سوار ہو جاتی ہے کہ انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ گویا کہ ان کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ وہ نشہ آور اجزاء ہیں جو ان میں موجود ہیں اور نشے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا جو عادی ہو جائے اسے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ انگریز ہمیں افسر شاہی کے ساتھ ساتھ یہ دو علتیں دے گئے۔ لوگوں کو عادت ڈالنے کے لئے چائے تیار کر کے اور سگریٹ سلگا کر شروع میں ہندوستان کے لوگوں کو چوراہوں میں کھڑے ہو کر مفت پلائے گئے اور گھروں کے لئے بھی مفت دیئے گئے۔ جب لوگ عادی ہو گئے تو معمولی قیمت لگا دی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ قیمت بڑھتی چلی گئی۔ آج ہماری قوم ان فضول اور نقصان دہ چیزوں پر اربوں روپیہ ضائع کرتی ہے۔

یہ کالی یا انگریزی چائے جو آجکل عام پی جاتی ہے۔ ہندوستانیوں یا مشرقی لوگوں کی دریافت یا ایجاد نہیں۔ کالی چائے یا انگریزی چائے بیسویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں انگریزوں نے متعارف کرائی۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہندوستانی فوجیوں کو پہلی جنگ عظیم کے دوران سستی خوراک دی جائے۔ ایک برطانوی کمپنی نے ہندوستانی فوج کا خرچہ کم کرنے کیلئے بالخصوص تحقیق کر کے کالی چائے دریافت کی۔ یہ چائے بھوک کو مارتی ہے اس لئے اس کا انتخاب کیا گیا۔ ہندوستانی فوجیوں کو چائے، بھنے ہوئے چنے اور کرخت بسکٹ بطور ناشتہ اور دوپہر اور رات کا کھانا دیا جاتا تھا۔

کالی چائے سے پہلے ہندوستان بلکہ ایشیا میں چار قسم کی چائے رائج تھیں اور نہ معلوم کب سے زیر استعمال تھیں۔

(1) جس کو آج ہم قہوہ یا سبز چائے یا چائنیز ٹی کہتے ہیں (لیمن گراس نہیں)۔

(2) قہوہ ہلکے براؤن رنگ کا لیکن کالی چائے کی پتی کا نہیں۔

(3) قہوہ گہرے براؤن رنگ کا جو کڑوا ہوتا ہے اور پاکستان کے شمالی علاقوں اور عرب ممالک میں اب بھی پیا جاتا ہے۔

(4) نمکین چائے جسے کشمیری چائے بھی کہتے ہیں۔ جو آج کل بڑے ہوٹلوں میں بغیر نمک کے صرف چینی ڈال کر پلائی جا رہی ہے۔

افتخار اجمل، بھوپال

ہم نے گوری چمڑی کی تقلید میں چائے کی قاعدہ مند قسمیں چھوڑ کر مضر کالی چائے اپنائی۔

چائے کیسے اور کب بنی، اس کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے میں یہ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ تہذیب و تمدن میں یورپ اور امریکہ سے بہت پہلے ایشیا اور افریقہ بہت ترقی کر چکے تھے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں دولت کے نشے میں اپنی لاپروائیوں، عیاشیوں اور اہل مغرب بالخصوص انگریزوں کی عیاریوں کے باعث ایشیا اور افریقہ کے لوگ روبہ تنزل ہوتے چلے گئے۔ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کردار سے تو سب واقف ہی ہوں گے۔ چین کے بارے میں بھی سنیے۔ انگریزوں کو پہلی بار سبز چائے کا علم سترہویں صدی کے شروع میں اس وقت ہوا جب 1615ء میں ایک شخص رچرڈ وکہم نے چائے کا ایک ڈبہ شہر مکاؤ سے منگوایا۔ اس کے بعد لگ بھگ تین صدیوں تک یورپ کے لوگ چائے پیتے رہے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ چائے ہے کیا چیز۔ اٹھارہویں صدی میں سبز چائے نے انگریزوں کے بنیادی مشروب ایل (Ale) کی جگہ لے لی۔ انیسویں صدی کے شروع تک سالانہ 15000 میٹرک ٹن چائے چین سے انگلستان درآمد ہونا شروع ہو چکی تھی۔ انگریز حکمرانوں کو خیال آیا کہ چین تو ہم سے بہت کم چیزیں خریدتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں نقصان ہو رہا ہے۔ انہوں نے افیون دریافت کی اور چینیوں کو افیون کی عادت ڈالی جو کہ چائے کے مقابلے میں بہت مہنگی بھی تھی۔ پوست کی کاشت چونکہ ہندوستان میں ہوتی تھی اس لئے ہندوستان ہی میں افیون کی تیاری شروع کی گئی۔ یہ سازش کامیاب ہو گئی۔ اس طرح انگریزوں نے اپنے نقصان کو فائدہ میں بدل دیا۔ انگریزوں کی اس چال کے باعث چینی قوم افیمچی بن گئی اور تباہی کے قریب پہنچ گئی۔ پھر چینیوں میں سے ایک آدمی اٹھا اور ہر دل عزیز لیڈر بن گیا۔ وہ ماؤزے تنگ تھا جس نے قوم کو ٹھیک کیا اور افیمچیوں کو راہ راست پر لایا، جو ٹھیک نہ ہوئے انہیں جیلوں میں بند کر دیا جہاں وہ افیون نہ ملنے کے باعث تڑپ تڑپ کر مر گئے، جس کے نتیجے میں آج پھر چین سب سے آگے نکلنے کو ہے۔ یہ موذی افیون ہندوستانیوں کو بھی لگ گئی مگر ہندوستان بشمول پاکستان میں ابھی تک کوئی ماؤزے تنگ پیدا نہیں ہوا۔

جسے آج ہم مغربی دنیا کی پیروی کرتے ہوئے ٹی (TEA) کہنے لگے ہیں اس کا قدیم نام چاء ہمیں 350 عیسوی کی چینی لغات یعنی ڈکشنری میں ملتا ہے۔ شروع میں یورپ میں بھی اسے چاء ہی کہا جاتا تھا۔ چھٹی یا ساتویں صدی میں بدھ چین سے چاء کوریا میں لے کر آئے۔ کوریا میں کسی طرح سی ایچ کی جگہ ٹی لکھا گیا۔ ہو سکتا ہے اس زمانے کی کورین زبان میں چ کی آواز والا حرف ٹ یا انگریزی کی ٹی کی طرح لکھا جاتا ہو۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ چاء کو "تے" لکھا گیا۔ اس طرح یورپ میں چاء ٹی اور تے بن گئی۔ جرمنی میں اب بھی چاء کو "تے" کہتے ہیں۔ آج سے پچاس سال قبل

بھارت و پاکستان میں بھی زیادہ تر لوگ چا ہی کہتے اور لکھتے ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مارکو پولو نے اپنی چین کے متعلق تحریر میں چا یا چائے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مارکو پولو واقعی چین گیا تھا؟

چائے کی دریافت تقریباً پونے پانچ ہزار سال قبل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ چین۔ شین ڈ ہین میں شہنشاہ دوم شین نونگ (جس کا دور 2737 قبل مسیح سے 2697 قبل مسیح تک تھا) نے علاج کے لئے دیگر جڑی بوٹیوں کے ساتھ چا بھی دریافت کی۔ شین نونگ کا مطلب ہے چین کا مسیحا۔ چا ایک سدا بہار جھاڑی کے پتوں سے بنتی ہے۔ شروع میں سبز پتوں کو دبا کر ٹکیاں بنائی جاتیں جن کو بھون لیا جاتا تھا۔ استعمال کے وقت ٹکیہ کا چورہ کر کے پیاز، ادرک اور مالٹے یا سنگترے کے ساتھ ابال کر یخنی جس کو انگریزی میں سوپ کہتے ہیں، بنا لیا جاتا اور معدے، بینائی اور دیگر بیماریوں کے علاج کے لئے پیا جاتا۔

ساتویں صدی عیسوی میں چا کی ٹکیہ کا چورا کر کے اسے پانی میں ابال کر تھوڑا سا نمک ملا کر پیا جانے لگا۔ یہ استعمال دسویں صدی کے شروع تک جاری رہا۔ اسی دوران یہ چا تبت اور پھر شاہراہ ریشم کے راستے ہندوستان، ترکی اور روس تک پہنچ گئی۔

سال 850 عیسوی تک چا کی ٹکیاں بنانے کے بجائے سوکھے پتوں کے طور پر اس کا استعمال شروع ہو گیا۔ دسویں یا گیارہویں صدی میں چا پیالے میں ڈال کر اس پر گرم پانی ڈالنے کا طریقہ رائج ہو گیا۔ جب تیرہویں صدی میں منگولوں یعنی چنگیز خان اور اس کے پوتے قبلائی خان نے چین پر قبضہ کیا تو انہوں نے چا میں دودھ ملا کر پینا شروع کیا۔

چو یو آن چانگ نے جس کا دور 1368ء سے 1399 تھا، 1391ء میں حکم نافذ کروایا کہ آئندہ چا کو پتی کی صورت میں رہنے دیا جائے گا اور ٹکیاں نہیں بنائی جائیں گی۔ اس کی بڑی وجہ ٹکیاں بنانے اور پھر چورہ کرنے کی فضول خرچی کو روکنا تھا۔

سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں چائے دانی نے جنم لیا۔ اس وقت چائے دانیاں لال مٹی سے بنائی گئیں جو کہ آگ میں پکائی جاتی تھیں۔ پھر اسی طرح پیالیاں بنائی گئیں۔ ایسی چائے دانیاں اور پیالیاں اب بھی چین میں استعمال کی جاتی ہیں۔

سولہویں صدی کے دوسرے نصف میں پرتگالی لوگ چین کے مشرق میں پہنچے اور انہیں مکاؤ میں تجارتی اڈا بنانے کی اجازت اس شرط پر دے دی گئی کہ وہ علاقے کو قزاقوں سے پاک رکھیں گے۔ خیال رہے کہ انگریزوں کو چینیوں نے اپنی سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت بالکل نہیں دی اور تجارت کی اجازت بھی سترہویں صدی کے آخر تک نہ دی۔ گو شاہراہ ریشم سے ہوتے ہوئے ترکوں کے ذریعہ چا پہلے ہی یورپ پہنچ چکی ہوئی تھی مگر پرتگالی تاجر چینی چا کو براہ راست یورپ پہنچانے کا سبب بنے۔

یورپ میں ولندیزی یعنی ڈچ تاجروں نے چا کو عام کیا۔ انہوں نے سترہویں صدی میں اپنے گھروں کے ساتھ چائے خانے بنائے۔ سال 1650 عیسوی میں آکسفورڈ میں پہلا چائے خانہ ''کافی ہاؤس'' کے نام سے بنا اور 1660 عیسوی کے بعد لندن کافی خانوں سے بھرنے لگا جن کی تعداد 1682 عیسوی تک 2000 تک پہنچ گئی۔

سترہویں صدی کے آخر میں کسی نے پتے سکھانے کے عمل کے دوران تخمیر یعنی فرمنٹیشن کا طریقہ نکالا جو بعد میں کالی چائے کی صورت میں نمودار ہوا یعنی وہ چائے جو آجکل دودھ ملا کر یا دودھ کے بغیر پی جا رہی ہے۔ یہ کالی چائے ایک قسم کا نشہ بھی ہے، جو لگ جائے تو چھوڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسے عام کرنے کے لئے اس کا رنگ خوبصورت ہونے کا پراپیگنڈا کیا گیا، چنانچہ رنگ دیکھنے کے لئے سفید مٹی کی چائے دانی اور پیالیاں بننی شروع ہوئیں۔

چین کا مقابلہ کرنے کے لئے انیسویں صدی میں انگریزوں نے چائے کے پودے اور بیج حاصل کئے اور ہندوستان میں چائے کی کاشت کا تجربہ شروع کر دیا۔ اس کوشش کے دوران بیسویں صدی کے شروع میں یعنی 1905 عیسوی میں انگریزوں کو فلپائن کے لوگوں کے ذریعے پتا چلا کہ چائے کے پودے کی جنگلی قسم آسام کی پہاڑیوں میں موجود ہے اور چائے کے پودے کا نباتاتی نام کامیلیا سائنینسس ہے۔ چنانچہ اس کی باقاعدہ کاشت ہندوستان میں شروع کر کے کالی چائے تیار کی گئی جس کی پیداوار اب 200000 میٹرک ٹن سے تجاوز کر چکی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے کالی چائے کو ہندوستان میں عام کیا۔ ہندوستان اور سری لنکا میں صرف کالی چائے پیدا ہوتی ہے۔

سبز چائے اور کالی چائے پینے کے لئے ان کے تیار کرنے میں فرق ہے۔ کالی چائے تیار کرنے کے لئے پتے سکھانے سے پہلے تخمیر یعنی فرمنٹیشن کے عمل سے گزارے جاتے ہیں۔ مزید اسے پینے کے لئے کھولتے ہوئے پانی میں پتی ڈال کر تیار کیا جاتا ہے جبکہ سبز چائے پتے احتیاط سے سکھا کر پائی جاتی ہے اور پینے کے لئے اس کی پتی میں 70 درجے سیلسیس کے لگ بھگ گرم پانی ڈالنا ہوتا ہے۔

چائے کا استعمال ہزاروں سال سے ہو رہا ہے۔ چائے کی ایک قسم سبز چائے یا قہوہ جسے چائنیز ٹی بھی کہتے ہیں اور اس کا نباتاتی نام کامیلا سنینسز ہے، صحت و تندرستی کے بہت سے فوائد رکھتی ہے۔ سالہا سال سے سبز چائے کے لاتعداد تجربات انسانوں اور جانوروں پر اور تجربہ گاہوں میں کئے گئے جن سے ثابت ہوا کہ سبز چائے بہت سی بیماریوں کو روکنے یا ان کا سد باب کرنے میں مدد دیتی ہے۔

چینی سائنسدانوں نے تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ سبز چائے میں ایک ایسا کیمیکل ہوتا ہے جو ایل ڈی ایل یعنی برے کولیسٹرول کو کم کرتا ہے اور ایچ ڈی ایل یعنی اچھے کولیسٹرول کو بڑھاتا ہے۔ ینگ ٹم چان اور ان کے ساتھی سائنسدانوں نے ہیمسٹرز کو ان کو زیادہ چکنائی والی خوراک کھلائی، جب ان میں ٹرائی گلسرائڈ اور کولیسٹرول کی سطح بہت اونچی ہو گئی تو ان کو تین کپ سبز چائے، چار پانچ ہفتے پلائی گئی جس سے ان کی ٹرائی گلسرائڈ اور کولیسٹرول کی سطح نیچے آ گئی۔ جن ہیمسٹرز کو 15 کپ روزانہ پلائے گئے ان کی کولیسٹرول کی سطح ایک تہائی کم ہو گئی۔ اس کے علاوہ اپیولی پروٹین جو کہ

انتہائی ضرر رساں ہے کوئی آدھی کے لگ بھگ کم ہوگئی۔ میں نے صرف جاپانیوں کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔ مغربی ممالک بشمول امریکہ کے محقق بھی سبز چائے کی مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل خوبیاں بیان کرتے ہیں۔

سبز چائے میں پولی فینالز کی کافی مقدار ہوتی ہے جو نہایت طاقتور اینٹی آکسیڈنٹ ہوتے ہیں۔ یہ ان آزاد ریڈیکلز کو نیوٹرلائز کرتے ہیں جو الٹرا وائلٹ لائٹ، ریڈی ایشن، سگریٹ کے دھوئیں یا ہوا کی پولیوشن کی وجہ سے خطرناک بن جاتے ہیں اور کینسر یا امراض قلب کا باعث بنتے ہیں۔ سبز چائے انسانی جسم کے مندرجہ ذیل حصوں کے سرطان یا کینسر کو جو کہ بہت خطرناک بیماری ہے، روکتی ہے:

مثانہ، چھاتی یا پستان، بڑی آنت، رگ یا شریان، پھیپھڑے، البلبہ، غدود، مثانہ یا پروسٹیٹ، جلد، معدہ۔

سبز چائے ہاضمہ ٹھیک کرنے کا بھی عمدہ نسخہ ہے۔ سبز چائے اتھیروسکلیروسس، انفلیمیٹری باؤل، السریٹیو کولائٹس، ذیابیطس، جگر کی بیماریوں میں بھی مفید ہے۔ ریح یا ابھراؤ کو کم کرتی ہے اور بطور ڈائی یوریٹک استعمال ہوتی ہے۔ بلیڈنگ کنٹرول کرنے اور زخموں کے علاج میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ دار چینی ڈال کر بنائی جائے تو ذیابیطس کو کنٹرول کرتی ہے۔

جو لوگ روزانہ سبز چائے کے دس یا زیادہ کپ پیتے ہیں انہیں جگر کی بیماریوں بشمول یرقان کا کم خطرہ ہوتا ہے۔ سبز چائے کا ایکسٹریکٹ چربی کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے جس سے آدمی موٹا نہیں ہوتا۔

کالی چائے پتوں کو فرمنٹ کر کے بنائی جاتی ہے۔ فرمنٹیشن کو اردو میں گلنا سڑنا کہا جائے گا۔ اس عمل سے چائے کی اچھی خصوصیات سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس میں اینٹی آکسی ڈینٹس ہوتے تو ہیں مگر فرمنٹیشن کی وجہ سے بہت کم رہ جاتے ہیں۔ کالی چائے پینے سے ایڈکشن ہو جاتی ہے اور پھر اسے چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر نشہ آور چیز میں یہی خاصیت ہوتی ہے۔ کالی چائے بھوک اور پیاس کو مارتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھوک اور پیاس کے قدرتی نظام میں خلل ڈالتی ہے جو صحت کے لئے مضر عمل ہے۔ کالی چائے پیٹ کے صفرا کا باعث بنتی ہے جس سے ہاضمہ کا نظام خراب ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا مضر

خصوصیات

کے اثرات کئی سالوں بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کئی لوگ پیٹ خراب ہونے کی صورت میں یا نظام کو ٹھیک کرنے کے لئے کالی چائے بطور علاج کے پیتے ہیں، حالانکہ کالی چائے دونوں کے لئے صرف موزوں نہیں بلکہ مضر ہے۔

جو ذیابیطس کے مریض بغیر چینی کے کالی چائے پیتے ہیں وہ اپنے مرض کو کم کرنے کی کوشش میں دراصل بڑھا رہے ہوتے ہیں، کیونکہ کالی چائے گردوں کے عمل میں خلل ڈالتی ہے جس سے ذیابیطس بڑھ سکتی ہے۔

(بقیہ: سیرت جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت)

ہم بہ بہانہ قاطع بدعت منکرین میلاد یہ دھوکہ دے کر 12 ربیع الاول کو شاید یوم سوگ منانا چاہتے ہیں، لیکن یاد رکھیں وفات پر سوگ منانا تین دن سے زیادہ منع ہے اسی لئے مسلمان تیسرے دن قل خوانی کر کے سوگ ختم کر دیتے ہیں۔

ہم سوگ کیوں منائیں۔

انعام خداوندی ملنے پر خوشی منائی جاتی ہے، اور چھن جانے پر غم۔ ذات رسالت مآب کی صورت میں جو انعام اور فضل ایزدی ہم پر ہوا اس کا فیضان تا قیامت جاری ہے حضور کی وفات تو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے (شرح الشفاء ج ص ۳۱۶)۔

کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں) فیضان رسالت کے جاری رہنے کا بین ثبوت ہے۔

<u>اگر کوئی کہے محمد اللہ کے رسول تھے، وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے جب محمد مصطفیٰ ﷺ آج بھی اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم غم کیوں منائیں غم وہ منائیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول تھے اور اب مر کے مٹی ہو گئے</u>

نعوذ باللہ من ذالک۔

مٹتے ہیں مٹ گئے مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(بقیہ: چراغ مصطفوی)

(1) <u>ہم تنہا نہیں ہیں</u> (بلکہ باقاعدہ منصوبہ بندی اور پوری مشاورت سے یہ کام کر رہے ہیں لہٰذا ہمارے خلاف کسی اقدام سے قبل اپنے انجام کو ضرور دیکھ لیں۔

(2) <u>پولیٹیکل اسلام (جسے ہم نظام مصطفیٰ ﷺ کہتے ہیں) مغرب کا سب سے بڑا دشمن ہے</u>، لہٰذا حقیقی قوت جو نظام مصطفیٰ کی داعی ہے اسے کسی بھی صورت منظم و مستحکم نہ ہونے دیا جائے تو پھر ہمیں غور و فکر کے ساتھ اب عمل کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

نتیجہ: آج بزرگان دین کی جماعت "جمعیت علماء پاکستان" کے بجائے سنیوں نے نئی نئی سیاسی جماعتیں بنالی ہیں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی جیسی سیکولر جماعتوں میں شامل ہو کر ان کو تقویت پہنچا رہے ہیں، وقتی خوشی و اقتدار کی خاطر۔ قربانیوں کی امین تحریک میں شامل ہونے کی زحمت گوارہ نہیں ہے۔

(3) <u>اپنے اقتدار و اختیار کی محرومی کی وجہ سے پریشان تھا۔</u>

نتیجہ: اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی تحریک کو جس نے بھی ذاتی رنجش، مفاد، خوشی، مشکلات کی وجہ سے بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی دراصل اس نے اس یہودی اور عیسائی ایجنڈے میں اپنی بے وقوفی کی بنیاد پر مدد کی اور اسلام کے دشمنوں کو اذیت پہنچانے کے بجائے اپنا ہی نقصان کیا۔

(4) عالم کفر متحد ہو چکا ہے لہٰذا ہمیں بھی عالمی استعمار سے اس سو سالہ عرصہ میں مقابلہ کرنے کیلئے سب سے پہلے اخلاص پر مبنی قربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر ایک قوت بننے کی کوشش کریں، دشمنان رسول کو گنبد خضرا اور کعبہ شریف تک پہنچنے کے بجائے نیو یارک، انگلینڈ تک گھیر لیں لیکن پہلے اپنی صفوں کو منظم کر لیں ورنہ ہر فرد کو رب عالم کو اس عمل کا جواب دینا ہوگا۔

(بقیہ: جائیداد اپنی قوت خرید سے باہر)

محدود آمدنی کا حامل کوئی بھی شخص اب اپنا مکان خریدنے کا تصور نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ عزت کے ساتھ کرائے کے مکان میں رہ سکتا ہے کیونکہ وہ بھاری کرائے برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری اور آمدنی کے کم ذرائع سے آدمی کے لیے دو وقت کی روٹی کا حصول مشکل ہے پھر جائیداد بنانے کا خیال فقط خام خیالی ہوگا۔

<u>غور طلب بات یہ ہے کہ ہماری اسلامی ریاست جس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو تمام بنیادی سہولتیں فراہم کرے جس سے اس کو سکون میسر آئے اور اس کی داد رسی ہو اس کے برعکس حکومت اپنی ذمہ داریوں سے صرف نظر کر رہی ہے</u> ملک میں ناجائز منافع خوروں کو کھلی چھوٹ دی گئی۔ چیک اینڈ بیلنس کا نظام ختم ہوگیا۔ جو جہاں چاہے من مانی کرے، بحران پیدا کرے اور معاشرے میں انتشار پیدا کرے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اگر حکمرانوں نے اقتدار ہی کو صرف اپنا مقصد زندگی بنایا اور اس اہم اور حساس مسئلے پر توجہ نہ دی تو معاشرے میں بگاڑ کو کوئی نہیں روک سکے گا۔



وما ارسلنك الا رحمة للعالمين

جشن عید میلاد النبی

مبارک ہو

آیئے ایک مہذب معاشرے کی تعمیر کیلئے تعلیمات مصطفیٰ کو عام کریں۔

کورنگی ٹاؤن کو صاف رکھیئے

سرسبز و شاداب رکھیئے

منجانب:

محمد عارف خاں ایڈووکیٹ

ناظم کورنگی ٹاؤن

محمد اصغر قریشی

نائب ناظم کورنگی ٹاؤن

ڈاکٹر مختار اے پلیجو

ٹاؤن میونسپل آفیسر کورنگی ٹاؤن

محکمہ اطلاعات و تعلقات عامّہ

(ٹاؤن میونسپل ایڈمنسٹریشن کورنگی ٹاؤن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین





